فہرست

لمعات

رویت ہلالؔ۔علماءاورحکومتِ وقت کوایک تجویز	ادارہ	3
حضرت انسان قرآن کے آئینے میں	آصف جلیل	12
نظام اوراس کا نتیجہ	غلام باری، مانچسٹر	17
مطالب القرآن فی دروس الفرقان (۲۹واں پارہ)	غلام احمد پرویزؒ	21

ENGLISH SECTION

SOCIAL VALUE SYSTEM

By Maj Gen (Rtd) Ihsan-ul-Haq 1

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد سلیم اختر

لمعات

یومِ آزادی مبارک

جس مسلمان کا یہ عالم ہو کہ وہ دوسری قوموں کے یومِ آزادی کی یاد کو قائم رکھنا بھی اپنے لئے فریضہ سمجھتا ہو، وہ خود اپنی آزادی کے دن کی یاد کو کس طرح بھلا سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ قوموں کی زندگی میں، وہ دن جب وہ محکومیت کے عذاب سے نجات حاصل کریں، سب سے بڑے جشن و مسرت کا دن ہوتا ہے۔ ایسا جشن جس سے دلوں میں شگفتگی، روح میں بشاشت، نگاہوں میں تازگی اور ذہنوں میں جلا پیدا ہو جائے جس سے اس قوم کے افراد کے اندر شرفِ انسانیت کا احساس بیدار ہو جائے جس سے وہ یہ کہنے میں ہزار فخر محسوس کریں کہ ہم دنیا میں کسی انسان کے سامنے نہیں جھکتے، ہماری تقدیریں ہمارے اپنے ہاتھ میں ہیں۔ ہم اپنے شب و روز کے آپ مالک ہیں۔ ہم اپنے حال کو اپنی مرضی کے مطابق سنوارتے ہیں، ہم اپنے مستقبل کے سانچے اپنے پیمانوں کے مطابق آپ ڈھالتے ہیں، ہم خوب و ناخوب کا فیصلہ اپنے اندازوں سے کرتے ہیں، ہم اشیائے کائنات کی اقدار اپنے معیاروں کے مطابق متعین کرتے ہیں۔ ہم اپنے فیصلوں میں کسی کی چینِ جبیں سے متاثر نہیں ہوتے۔ ہم اپنے ارادوں پر کسی کے اشارۂ ابرو کو اثر انداز نہیں ہونے دیتے۔ ہم اپنی نیند سوتے ہیں اور اپنی نیند جاگتے ہیں۔

خوش بخت ہے وہ قوم جسے یہ کچھ کہنے کی سعادت نصیب ہو جائے اور خوشتر از ہزار عید ہے وہ دن جو اس کے لئے اس آزادی کا پیغام لے کر آئے۔

سرزمینِ پاکستان کے رہنے والوں کے لئے 14 اگست کا دن، اسی جشنِ آزادی کا دن ہے۔ مبارک ہیں وہ ہمایوں بخت ساعتیں جو آج سے اکسٹھ سال پہلے ان کے لئے پیامِ حریت اور نویدِ آزادی لائیں اور مسعود و میمون ہے وہ ملت جو اس نویدِ حیات بخش و نشیدِ نشاط آور کی مورد و مہبط بنی۔

اگرچہ آج اگست 2008 کو مملکتِ خداداد پاکستان کی ظاہری و باطنی آزادی اور حریت کا سورج وہ تابناکیاں اپنے دامن میں نہیں رکھتا جس کی آرزو ہمارے دلوں میں 14 اگست 1947ء کو موجزن ہوئی اور آج بھی زندہ ہے۔ اسی ''آرزو'' کو زندہ رکھنے کے لئے اور اس کی تکمیل کے عہد کی تجدید کے لئے ہم اس مسعود و مبارک ساعت کی یاد میں تمام باشندگانِ پاکستان کی خدمت میں دلی ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرنے کا فخر حاصل کرتے ہیں۔

(ادارہ طلوع اسلام)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی

جہاد کے بارے میں ایک اہم نکتہ

قرآن کریم عقل انسانی کی بڑی تعریف کرتا ہے لیکن عقل انسانی کا خاصہ ہے کہ وہ غلطی کرتی ہے اور اپنے مفادات کا تحفظ کرتی ہے۔ مفادات کے تحفظ اور آپس میں ٹکراؤ کی وجہ سے انسانی معاشروں میں تنازعات و اختلافات رونما ہوتے ہیں۔ ساری دنیا میں جو تنازعات اور فسادات انفرادی طور پر یا بین الاقوامی سطح پر واقع ہو رہے ہیں وہ اپنے اپنے مفادات کے تحفظ کی وجہ سے ہو رہے ہیں۔ ہر قوم اپنا مفاد پیش نظر رکھتی ہے اور دوسری اقوام کو حد درجہ Exploit کرتی ہے۔ دنیا میں جو بگاڑ عقل کی وجہ سے پیدا ہو رہا ہے، اس کا تدارک عقل سے نہیں کیا جا سکتا۔ یہ چیز عقل کے دائرہ اختیار سے باہر ہے۔ ظاہر ہے کہ جو فساد عقل کی وجہ سے ہوتا ہے، عقل اس کا تدارک کیسے کر سکتی ہے؟ اس کا تدارک صرف وحی الٰہی کے ذریعے ہو سکتا ہے جو انسانوں کے درمیان عدل و انصاف قائم کرتی ہے۔ وحی الٰہی کے سامنے عدل مطلق ہوتا ہے جبکہ انسانوں کے وضع کردہ قوانین میں عدل ایک Relative Term ہوتی ہے۔ اس وجہ سے انسانی قوانین بدلتے رہتے ہیں، آج کل اس کی واضح مثال Terrorism ہے۔ آج ساری دنیا میں Terror اور تشدد عام ہو رہا ہے۔ لیکن آپ حیران ہوں گے کہ اس کی کوئی جامع و مانع تعریف Definition نہیں ہو سکی نہ ہو سکتی ہے۔ ایک قوم کے نزدیک جو اپنا حق و استحقاق ہے، وہی چیز دوسری قوم کے لئے تشدد اور Violence ہے۔ ساری دنیا کے مفکرین بھی جمع ہو جائیں وہ اس کی جامع و مانع تعریف نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ سب کے سامنے اپنے اپنے مفادات ہوتے ہیں۔ مملکت کے قوانین کی بنیاد اس مملکت کے مصالح ہوتے ہیں جبکہ دین کی اساس ضابطۂ حیات ہوتی ہے اور دین کے پیشِ نظر ساری انسانیت کا مفاد ہوتا ہے۔ دین کی بنیاد توحید الٰہی پر استوار ہوتی ہے جس کا لازمی و منطقی نتیجہ وحدتِ انسانیت ہے۔ اس وجہ سے اس کے پیش نظر ساری انسانیت کا مفاد اور اس کا اکرام و احترام ہوتا ہے۔ دین یا اسلامی مملکت میں جو قوانین وضع ہوتے ہیں ان میں ساری انسانیت کے مفاد کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ دنیاوی معیار کے مطابق ہر وہ مملکت و حکومت جس میں Law and order

اچھی طرح قائم ہے۔ جس میں چوری' ڈاکہ زنی کی وارداتیں نہ ہوں وہ پرامن حکومت سمجھی جاتی ہے۔خواہ اس میں اکثریت کے حقوق پامال ہورہے ہوں اور نصف آبادی انسانیت سے پست سطح پر زندگی بسر کررہی ہولیکن قرآن کریم کے مطابق پرامن حکومت وہ ہوتی ہے جس میں امن وامان کے علاوہ ہر شخص کو وہ مواقع میسر ہوں کہ جس سے اس کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہورہی ہو۔قرآن کریم کے مطابق توحقیقی امن وسلامتی یہ ہے کہ اس حکومت میں انسانوں کے وضع کردہ قوانین جاری نہ ہوں بلکہ اس میں محکومیت صرف خدا کے لئے ہواور کوئی انسان کسی انسان کا حاکم نہ ہو کہ یہ چیز انسانوں کی ذلت کا باعث بنتی ہے۔

اس مختصر سی تمہید کے بعد عرض ہے کہ قرآنِ کریم کا اصل الاصول یہ ہے کہ قرآنی حکومت کا قیام عمل میں لایا جائے۔یاایھا الذین آمنوا کے عملی معنے ہی یہ ہیں کہ اے وہ لوگوں جو اس بات پر ایمان لائے ہو کہ قرآن کا عطا کردہ نظام' انسانوں کے وضع کردہ ہر نظام سے بہتر ہے۔وہ مسلمان کو ان القاب سے یہ سمجھ کر خطاب کرتا ہے کہ وہ اس بات پر پہلے سے ایمان لا چکے ہوئے ہیں۔اور جو لوگ اس عقیدے کو نہیں مانتے اس کے نزدیک وہ ظالم' کافر اور فاسق ہیں۔ (۴۷/۵' ۴۵/۵) وہ ہر مسلمان پر فرض قرار دیتا ہے کہ وہ غیر اسلامی معاشرے سے فوراً ہجرت کر جائے (۹۷/۴) اس کا غیر اسلامی یعنی طاغوت میں زندگی بسر کرنا جائز نہیں (۶۰/۴)۔ غیر اسلامی معاشرے میں رہنے والوں کو وہ مجرم قرار دیتا ہے (۱۲۳/۶)۔

بدقسمتی سے ہمارے ہاں ملوکیت کے غلبہ کی وجہ سے دین کا تصور بالکل معدوم ہوگیا اور ہم مذہب کی سطح پر زندگی گذارتے چلے آرہے ہیں۔ مذہب میں خدا اور انسان کا تعلق ذاتی اور پرائیویٹ ہوتا ہے جس کا کسی اجتماعی نظام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔اس میں خدا کی پرستش کی جاتی ہے اور انسان اس کا پرستار ہوتا ہے لیکن دین میں ایک باقاعدہ نظام قائم کیا جاتا ہے اور قوانینِ خداوندی اس میں جاری کئے جاتے ہیں۔اگر اسلام بھی دوسرے مذاہب کی طرح صرف ایک مذہب ہوتا تو اس کو جہاد کی ضرورت ہی پیش نہ آتی لیکن چونکہ اسلام ایک دین ہے اور اس کو اپنی الگ ایک مملکت کی ضرورت ہوتی ہے' اس لئے بعض مواقع پر اس کو جہاد کی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ دیگر مذاہب میں مذہب کی آزادی سے مراد چند رسوم کی ادائیگی کی آزادی ہوتی ہے لیکن اسلام میں دین کی آزادی کے معنے اس کی ایک الگ حکومت کا قیام ہے۔

اسلامی حکومت یا دین کے قیام کے سلسلہ میں قرآن کریم نے جو اصرار کیا ہے اس کے لئے قرآن نے جہاد کا لفظ استعمال کیا ہے۔قرآن نے جہاد کو کسی جگہ بھی لڑائی کے معنے میں استعمال نہیں کیا۔البتہ جب دین قائم ہو جائے اور اس وقت اس کی مدافعت کے لئے جو لڑائی کی جائے اسے قرآنِ کریم نے قتال کہا ہے۔ ہمارے علماء کرام کے پیش نظر چونکہ اسلامی نظام کے قیام کا تصور ہی نہیں تھا

اس لئے انہوں نے جہاد کو قتال سے تعبیر کیا ہے' لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ قرآن نے جہاد کا لفظ دین کے قیام کی کوشش کے لئے استعمال کیا ہے اور چونکہ دین کے قیام کے لئے قرآن کریم کا شدید اصرار ہے' اس لئے علماء نے اس اصرار کو جہاد بمعنے قتال کی طرف منتقل کر دیا ہے۔ ورنہ جہاد کا قتال سے کوئی تعلق نہیں۔ جہاد کی اس غلط تعبیر سے ہمارے ہاں جہاد کا تصور بدنام بھی ہوا اور Misuse بھی ہوا۔ یوں تو وہ آیات جہاں جہاد کا لفظ آتا ہے بے شمار ہیں لیکن اپنا مدعا ثابت کرنے کے لئے صرف چند آیات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جہاں یہ پیش کیا جائے گا کہ ان آیات میں اسلامی نظام قائم کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے' لڑائی کا حکم نہیں دیا گیا ہے لیکن ہمارے مفسرین اور مترجمین نے اس کا مفہوم لڑائی کا ہی لیا ہے اور ترجمہ بھی لڑائی ہی کیا ہے اور وجہ اس کی وہی ہے کہ ان کے سامنے ''دین'' کا تصور نہیں تھا۔ یہ بہت اہم نکتہ ہے اور اس کو پیش نظر رکھنے سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں۔

پوری آیات یا ان کا ایک حصہ اور ان کا مفہوم ''مفہوم القرآن'' سے دیا جاتا ہے۔ آپ ان کا ترجمہ قرآن کریم کے کسی نسخہ سے ملاحظہ فرما لیں' ان تمام آیات میں ترجمہ لڑائی یا لڑنے والے ہی کیا گیا ہے۔

(۱) إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ..... (۲/۲۱۸)۔ جو لوگ اس نظام کی صداقت پر یقین رکھیں اور اس کے قیام کی راہ میں جو چیز بھی حائل ہو' اس سے اپنا دامن چھڑا کر آگے بڑھ جائیں حتیٰ کہ اگر اس کے لئے وطن بھی چھوڑنا پڑے تو چھوڑ دیں اور اس کے حصول کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے رہیں۔ (مفہوم القران' صفحہ ۸۲)۔

(۲) إِنَّ الَّذِيْنَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ ..... (۸/۷۲)۔ یاد رکھو جو لوگ قوانین خداوندی کی صداقت پر ایمان لے آئے اور اس نظام کی خاطر جس چیز کے چھوڑنے کی ضرورت پڑی اسے بلا ادنیٰ تامل چھوڑ دیا حتیٰ کہ گھر بار تک چھوڑ کر یہاں آ گئے' اور اپنے مال و جان کی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا۔ (مفہوم القرآن' صفحہ ۴۱۳)۔

(۳) وَالَّذِيْنَ آمَنُواْ وَهَاجَرُواْ وَجَاهَدُواْ فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ ..... (۸/۷۴)۔ جو لوگ اس نظام کی صداقت پر ایمان لائے اور پھر اس کی خاطر سب کچھ حتیٰ کہ وطن تک بھی چھوڑ دیا اور اس کے قیام کی خاطر مسلسل جدوجہد کرتے رہے۔ (صفحہ ۴۱۴)۔

(۴) أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تُتْرَكُواْ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُواْ مِنكُمْ ..... (۹/۱۶)۔ کیا تم سمجھ رہے ہو کہ چونکہ تم نے ایمان کا اقرار کر لیا ہے اس لئے اب تمہارے لئے سب کچھ خود بخود ہوتا چلا جائے گا اور تمہیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہو گی؟ یہ خیال خام ہے۔ دعوائے ایمان کے بعد یہ بھی دیکھا جائے گا کہ تم میں سے کون ہے جو نظام خداوندی کے قیام و استحکام کے لئے

مصروف جدوجہد رہتا ہے۔ (صفحہ ۴۱۹)۔

(۵) أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ وَجَاهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ..... (۹/۱۹)۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ حاجیوں کے لئے پانی کی سبیلیں لگا دینے اور خانہ کعبہ کی آبادکاری کے مختلف کام سرانجام دینے سے انسان اس شخص کے برابر ہو جاتا ہے جو قوانین خداوندی اور حیات اخروی پر ایمان رکھے اور نظام خداوندی کے قیام و بقا کے لئے مسلسل جدوجہد کرے۔ (صفحہ ۴۲۰)۔

(۶) ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُواْ مِن بَعْدِ مَا فُتِنُواْ ثُمَّ جَاهَدُواْ وَصَبَرُواْ ..... (۱۶/۱۱۰)۔ جن لوگوں کا دل ایمان پر مطمئن ہو، ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ انہیں سخت تکالیف پہنچائی جائیں تو بھی ان کا قدم نہیں ڈگمگاتا۔ حتیٰ کہ جب ان کے ایمان اور وطن تک میں بھی تصادم ہو جائے تو وہ وطن کو خیرباد کہہ دیتے ہیں اور ایمان کو نہیں چھوڑتے اور اس طرح کسی ایسے مقام کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں جو ان کے ایمان کے تقاضوں کے لئے سازگار ہو وہاں وہ نظام خداوندی کے قیام کے لئے مسلسل کوشش کرتے رہتے ہیں اور ہر مشکل کا مقابلہ نہایت پامردی اور استقامت سے کرتے ہیں۔ (صفحہ ۶۲۱)۔

(۷) وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ..... (۲۹/۶۹)۔ جو لوگ اس مقصد کے حصول کے لئے جدوجہد کرتے ہیں جو ہم نے ان کے لئے متعین کیا ہے ان کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے سامنے زندگی کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں۔ (صفحہ ۹۲۸)۔

(۸) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ..... (۹/۷۳)۔ اے رسول تم ان منافقین اور کفار کے خلاف (جو نظام خداوندی کی مخالفت میں انتہا تک پہنچ چکے ہیں) پوری پوری جدوجہد کرو۔ (صفحہ ۴۳۸)۔

(۹) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ..... (۹/۶۶)۔ تم منافقین کی ریشہ دوانیوں اور کفار کی مزاحمتوں کے خلاف مصروف جدوجہد رہو اور ان کے مقابلہ میں اپنے کو چٹان کی طرح مضبوط رکھو۔ ان پر پوری شدت سے غلبہ حاصل کرو۔ (صفحہ ۱۳۳۴)۔

(۱۰) يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلاَ يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لآئِمٍ (۵/۵۴)۔ وہ اس نظام کے قیام اور استحکام کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے رہیں گے اور کسی کی طعن و تشنیع سے نہیں ڈریں گے۔

یہ دس آیات کریمات مع مفہوم کے پیش خدمت عالی کی گئی ہیں۔ آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ ہر جگہ جہاد کا مفہوم اسلامی نظام کے قیام کی کوشش ہی لیا گیا ہے اور ان کو آپ کی سہولت کی خاطر ہر جگہ Under Line کر دیا گیا ہے۔

جہاں تک قتال کا تعلق ہے اس کے لئے ہمیشہ یہ

بات ملحوظِ خاطر رکھئے گا کہ قتال صرف اسلامی حکومت کر سکتی ہے۔ مختلف گروہ یا Organizations قتال نہیں کر سکتے۔ قرآن کریم نے قتال کے لئے صرف چار مواقع پر اجازت دی ہے۔

(۱) اگر اسلامی حکومت پر حملہ کیا جائے تو اس کے دفاع کے لئے قتال لازمی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جب قریش ایک لشکر جرار لے کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے تو مسلمان بھی اپنی بقا کی خاطر میدان جنگ میں نکل آئے۔ یہ پہلا موقع تھا کہ جہاں انہیں جنگ کی اجازت دی گئی تھی چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ (۲۲/۳۹)۔ جن (مومنوں) سے (کفار) لڑا کرتے تھے چونکہ وہ بہت ستائے گئے اس وجہ سے انہیں بھی جہاد کی اجازت دے دی گئی ہے اور خدا تو ان لوگوں کی مدد کرنے پر قادر ہے۔

(۲) جنگ کی اجازت کا دوسرا موقع وہ ہے جب کوئی دشمن مملکت معاہدہ توڑے اور اسلامی حکومت کے قیام و بقا کو خطرہ لاحق ہو جائے۔ قرآن کریم معاہدات کی پاسداری پر بڑا زور دیتا ہے۔ أَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْؤُلاً (۳۴/۱۷)۔ (ترجمہ) عہد کو پورا کرو کیونکہ ان کے متعلق سوال کیا جائے گا۔ نیز فرمایا: وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُو (۱۷۷/۲)۔ (ترجمہ) جب وہ کسی سے عہد کرتے ہیں تو اسے پورا کرتے ہیں لیکن کفار و مشرکین کی حالت یہ تھی کہ: أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْداً نَّبَذَهُ فَرِيْقٌ مِّنْهُم (۱۰۰/۲)۔ جب کبھی ان لوگوں نے عہد کیا تو کسی نہ کسی گروہ نے ضرور اسے پس پشت ڈال دیا۔ ایسے مواقع پر جب کہ دشمن عہد توڑ دے تو جنگ کی اجازت دے دی گئی ہے۔ وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِن قَوْمٍ خِيَانَةً فَانبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاء إِنَّ اللّهَ لاَ يُحِبُّ الخَائِنِيْن (۸/۵۸)۔ (ترجمہ) اور اگر تمہیں کسی قوم کی خیانت (عہد شکنی) کا خوف ہو تو تم بھی برابر ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو خدا ہرگز دغابازوں کو دوست نہیں رکھتا۔ نیز ارشاد ہوتا ہے: إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللّهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا فَهُمْ لاَ يُؤْمِنُون (۸/۵۵)۔ بلاشبہ اللہ کے نزدیک بدترین خلائق وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا یہ وہ لوگ ہیں جو کبھی ایمان لانے والے نہیں۔ (اے رسول) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے تم سے عہد کیا تھا پھر انہوں نے اسے توڑا اور ہر مرتبہ عہد کر کے توڑتے رہے۔ چنانچہ ان حالات میں جنگ سے بچنا ممکن ہی نہیں تھا اور انہیں جنگ کی اجازت دے دی گئی۔

(۳) تیسرا موقع جہاں قرآن کریم جنگ کی اجازت دیتا ہے وہ ساری دنیا کے مظلوموں کی امداد ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: وَمَا لَكُمْ لاَ تُقَاتِلُونَ فِيْ سَبِيْلِ اللّهِ..... (۴/۷۵)۔ (اور مسلمانو) تم کو کیا ہو گیا ہے کہ خدا کی راہ میں اور ان کمزور اور ان بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں کو (کفار کے پنجہ سے چھڑانے) کے واسطے قتال نہیں کرتے۔ جو خدا سے دعا مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پالنے والے کسی طرح اس بستی سے جس کے

باشندے بڑے ظالم ہیں ہمیں نکال۔

(۴) چوتھا موقع جہاں قرآن کریم جنگ کی اجازت دیتا ہے وہ باغیوں کی سزا کا موقع ہے۔اس کے لئے آیت مبارکہ (۵/۳۳) میں اجازت دی جاتی ہے۔

قرآن کریم کے مطابق صرف یہ چار مواقع ہیں جہاں اس نے جنگ کی اجازت دی ہے۔اس کے علاوہ قرآن کریم نے جنگ کی اجازت کسی جگہ نہیں دی ہے۔ ہمارے ہاں جہاد کے حکم کو قتال سے خلط ملط Confuse کر دیا جاتا ہے جس سے خود مسلمانوں کو اور غیر مسلم حضرات کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام تشدد اور Terror کو جائز سمجھتا ہے اور اس کی حمایت کرتا ہے لیکن ایسا ہرگز نہیں ہے۔قرآن کریم تو امن وسلامتی کا داعی ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کی دو صفات السلام اور المومن بیان فرمائی گئی ہیں اور چونکہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ صفات خداوندی کو اپنے اندر منعکس کرے اس لئے مسلمان تو صرف امن و سلامتی کا ہی علمبردار ہوسکتا ہے۔وہ ایسا نظام قائم کرتا ہے يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ (۵/۱۶)۔اس کے ذریعے خدا سلامتی کی راہیں کشادہ کرتا ہے۔وَاللّٰهُ يَدْعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ (۱۰/۲۵)۔خدا سلامتی کے گھر کی دعوت دیتا ہے۔نیز ارشاد ہوتا ہے: وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِناً (۳/۹۷)۔جو اس نظام میں داخل ہوگیا وہ امن میں ہوگیا۔قرآن تو امن وسلامتی اور Peace کا داعی ہے۔اس کو تشدد اور Terror سے کوئی تعلق نہیں۔

مضمون یہاں ختم ہوتا ہے۔اصل نکتہ جس پر اس مضمون کو Focus کیا گیا ہے یہ ہے کہ قرآن کریم نے جہاد کا لفظ قرآنی نظام کے قیام کے لئے کوشش کرنے کے لئے استعمال کیا ہے اور اس کو قیام نظام خدوندی کے لئے شدید اصرار ہے۔اس سے مراد قتال نہیں ہے۔اس کا سارا زور Emphasis اسلامی نظام کے قیام پر ہے۔

اس مضمون میں جہاد کی اجازت کے مواقع کے لئے تیسری شق مظلوم کی حمایت وامداد تحریر کی گئی ہے۔اس سلسلہ میں سپین Spain کی فتح کا واقع بڑا Relevence رکھتا ہے۔اگرچہ اس واقعہ کا کوئی براہ راست تعلق اس مضمون سے نہیں ہے لیکن اس کو قارئین کی معلومات میں اضافہ کرنے کی خاطر تحریر کیا جاتا ہے۔روزنامہ ڈان Dawn کی مورخہ ۲۹ ستمبر ۲۰۰۶ء کی اشاعت میں ایک خط ''سپین کی فتح'' کے عنوان سے طبع ہوا تھا جس کا آزاد ترجمہ پیش خدمت عالی کیا جاتا ہے۔

''مسلمانوں کا سپین کو فتح کرنا''

جنوبی سپین (Spain) کے ایک عیسائی سردار کاؤنٹ جولین کی لڑکی سے سپین کے بادشاہ Roderic نے زنا بالجبر کیا۔بادشاہ سے وفاداری کا ثبوت پیش کرنے کے لئے مقامی سرداروں اور گورنروں کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی لڑکیاں بادشاہ کے محل میں بھیجیں تاکہ وہ کچھ وقت بادشاہ کے ساتھ گذار سکیں۔اگرچہ بادشاہ کی عمر اس وقت جولین

کی لڑکی سے تین گنا زیادہ تھی لیکن اس نے تمام اخلاقی اقدار کو بالائے طاق رکھ کر اس لڑکی سے زنا بالجبر کیا جب اس لڑکی کا باپ (جولین) بادشاہ کے محل میں آیا تو اس لڑکی نے اپنے باپ سے بادشاہ کے اس فعل کی شکایت کی۔ کاؤنٹ جولین نے غصہ اور شرمندگی کی وجہ سے موسیٰ بن نصیر سے رابطہ قائم کیا جو کہ اس وقت اموی حکومت کی طرف سے جنوبی افریقہ کا گورنر تھا۔ کاؤنٹ جولین نے موسیٰ کو ان تمام مظالم سے آگاہ کیا جو بادشاہ اور اس کے سردار عام عیسائیوں اور یہودیوں پر کر رہے تھے' اپنی بیٹی کے 'Rape' کے واقعہ سے بھی آگاہ کیا۔ بہت بھاری ٹیکس عوام سے وصول کیا جاتا تھا اور لوگ غلاموں اور راہبوں کی طرح زندگی گزار رہے تھے۔ اس دور کے مذہبی (عیسائی) پیشوا بھی سخت بددیانت تھے۔ جو دولت جمع کر رہے تھے اور عام عیسائیوں کو مذہبی معاملات کے بارے میں ایذائیں دیتے رہتے تھے۔

موسیٰ بن نصیر نے اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک سے سپین پر حملہ کرنے اور وہاں کی رعایا کو سپین کے ظالم بادشاہ سے نجات دلانے کی اجازت طلب کی۔ موسیٰ بن نصیر نے طارق بن زیاد کو صرف بارہ ہزار سپاہیوں کے ساتھ روانہ کیا۔ طارق بن زیاد سپین کے ساحل جبرالٹر پر اترا اور بادشاہ کی فوج کو شکست دے دی جس کی تعداد ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھی۔

مسلمانوں کے دور حکومت میں سپین میں مذہبی آزادی تھی۔ کسی کو زبردستی مسلمان نہیں بنایا گیا۔ مسلم سپین میں ابن رشد' محی الدین ابن عربی' ابن طفیل' ابن باجہ' ابوبکر رازی جیسے لوگ پیدا ہوئے۔ جنہوں نے سماجی اور طبی (Medical) دنیا میں ایک انقلاب پیدا کر دیا اور ایسے ادارے قائم کئے جس سے یورپ نے نہایت فائدہ اٹھایا (اس کے برخلاف) جب (عیسائی) سپین نے سولہویں صدی میں وسطی اور جنوبی امریکا پر حملہ کیا تو لوگوں کو صرف دو Options دیے گئے تھے کہ یا تو وہ عیسائی ہو جائیں اور یا پھر قتل کر دیئے جائیں گے۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ سپین کی مسلم فتح کس طرح تیسری شق کے ذیل میں آتی ہے۔ اس مضمون میں اختصار کی وجہ سے اس تیسری شق کے بارے میں صرف ایک ہی آیۂ کریمہ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مظلوموں کی امداد یا پوری انسانیت کی نگہداشت کے بارے میں قرآن کریم میں اس قدر آیات کریمات ہیں کہ ان سب کا احصیٰ یہاں ممکن نہیں ہے لیکن افسوس یہ ہوتا ہے کہ ہمارے مفسرین کرام نے ان آیات کی اس طرح تفسیر کی ہے کہ اس سے ان کا یہ مفہوم جاتا رہتا ہے کہ ان سے مراد انسانیت کی نگرانی ہے اور اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ ان مفسرین کرام کے سامنے دین کا تصور نہیں تھا جس میں تسلط' غلبہ' قوت' اقتدار شرط ہے۔ افسوس کہ ہمارے سامنے صرف

مذہب کا تصور رہ گیا ہے جس میں غلبہ و اقتدار کی بجائے' عاجزی' خاکساری' انکساری' فروتنی کی تعریف وتحسین کی جاتی ہے۔ یہاں مثال کے طور پر صرف ایک آیہ کریمہ کی تفسیر پیش کی جاتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً (۲/۱۴۳)۔ اوراس طرح ہم نے تمہیں ایک بین الاقوامی امت بنایا تاکہ تم تمام انسانیت کے اعمال کے نگران بنو اور تمہارا رسول تمہارا نگران بنے۔ اس آیت کریمہ میں شہادت (نگرانی) سے مراداس دنیا میں اقوام عالم کی شہادت (نگرانی) ہے کیونکہ جب امت متوسط اس دنیا میں بنایا ہے تو لازمی بات یہ ہے کہ نگران بھی اسی دنیا میں ہی بنایا گیا ہے۔ یہ قرین قیاس نہیں ہے کہ امت متوسط (عادل) تو اس دنیا میں بنایا جائے اور نگرانی اور شہادت آخرت کے لئے موخر کر دی جائے لیکن دین کے بجائے مذہب سامنے ہونے کی وجہ سے یہ مفسرین کرام کی مجبوری تھی کہ وہ اس کو قیامت کے دن کے لئے مخصوص کر دیں۔ کیونکہ اگر وہ اس شہادت سے اس دنیا کی شہادت (نگرانی) مراد لیتے' جو فی الواقعہ مراد ہے' تو انہیں اسلام کے لئے غلبہ' اقتدار اور ایک مضبوط ریاست کا تصور اور اس کی ضرورت کو تسلیم کرنا پڑتا تھا' جو ان کے ہاں نہیں ہے۔ اس آیت کی تفسیر تقریباً سارے مفسرین نے ایک ہی طرح کی کی ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ: ''بخاری' ترمذی اور نسائی نے ابوسعید خدری سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن نوح علیہ السلام بلائے جائیں گے اور ان سے دریافت کیا جائے گا تبلیغ کی؟ نوح علیہ السلام عرض کریں گے پروردگار میں نے بے شک تیرا پیام پہنچا دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کی امت سے دریافت فرمائے گا کہ تم کو نوح علیہ السلام نے احکام پہنچائے؟ وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی نہیں آیا۔ پھر نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا کوئی گواہ ہے۔ نوح علیہ السلام عرض کریں گے میرے گواہ محمد ﷺ اور ان کی امت ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر تم وہاں آ کر گواہی دو گے پھر آپ نے آیہ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُواْ شُهَدَاء عَلَى النَّاسِ (۲/۱۴۳) (پڑھی) اور فرمایا تم تو نوح علیہ السلام کی تبلیغ کی گواہی دو گے اور میں تمہاری گواہی دوں گا'' (تفسیر مظہری' ص ۱۸۲' تفسیر ابن کثیر' ص ۲۰۷' ۲۰۸)۔

آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں کہ کس طرح آیہ کریمہ سے دین کا تصور محو کر کے مذہب پیش کیا جا رہا ہے اور کس طرح امت مسلمہ شہادت ونگرانی اور سیادت عالم کے درجہ سے گرائی جا رہی ہے اور اس طرح جہاد کی اجازت کی تیسری شق سے محروم کی جا رہی ہے۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ (۳۹/۴۲)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آصف جلیل، کراچی
asif.jalil1@gmail.com

حضرت انسان قرآن کے آئینے میں

(قسط۳)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَ مَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ [118:3] هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَ لَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ وَ اِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَ اِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ (3:118-119)

اے ایمان والو تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا اور کسی کو نہ بناؤ۔ نہیں دیکھتے دوسرے لوگ تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، وہ تو چاہتے ہیں کہ تم دکھ میں پڑو، ان کی عداوت تو خود ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے، ہم نے تمہارے لیے آیتیں بیان کر دیں اگر عقلمند ہو۔ ہاں تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، تم پوری کتاب کو مانتے ہو، یہ تمہارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تنہائی میں مارے غصہ کے انگلیاں چباتے ہیں، کہہ دو کہ اپنے غصہ ہی میں مر جاؤ، اللہ تعالیٰ دلوں کے راز کو بخوبی جانتا ہے۔

ان دو آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ دوستی اور رازداری کے تعلقات ان لوگوں سے قائم نہیں ہو سکتے جن سے ایمان کا رشتہ نہ ہو۔ کیونکہ یہ یکطرفہ معاملہ نہیں ہے۔ جو جذبات ایک شخص کے ہیں وہی جذبات دوسرا شخص نہ رکھتا ہو تو محبت اور دوستی کی بنیاد رکھی ہی نہیں جا سکتی۔ یہ منافقانہ طرزِ عمل ہوتا ہے کہ بظاہر دوستی کا مظاہرہ کیا جائے لیکن دل میں نفرت ہو۔ دوسری آیت میں ایک اہم نفسیاتی کیفیت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ بغض، عداوت اور غصہ دوسروں کی نہیں بلکہ اپنی ذات ہی کو نقصان پہنچاتا ہے۔

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا وَ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ (3:120)

تمہیں اگر بھلائی ملے تو یہ ناخوش ہوتے ہیں۔ ہاں اگر

برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں۔ تم اگر صبر کرو اور پرہیز گاری کرو تو ان کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

اس ذہنیت کا مشاہدہ بآسانی ہمارے معاشرے میں کیا جا سکتا ہے۔ یہ جملہ تو آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ ''فلاں کے ساتھ ایسا ہوا' اچھا ہی ہوا''۔ کسی کو مصیبت میں مبتلا ہونے پر آپ نے قہقہے لگتے بھی سنے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ روش غیر مسلموں کی بتائی ہے۔ حیرانی یہ ہے کہ خود کو مسلم کہلانے والوں میں یہ روش کیوں ہے؟

وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَ قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ☆ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَ قَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (3:167-8)

اور منافقوں کو بھی معلوم کر لے جن سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو' یا کافروں کو ہٹاؤ' تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے تو ضرور ساتھ دیتے' وہ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت قریب تھے۔ اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں' اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کی بابت کہا کہ اگر وہ بھی ہماری بات مان لیتے تو قتل نہ کئے جاتے۔ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت کو ہٹا دو۔

ان دو آیتوں میں منافقوں کی پہچان بتائی گئی ہے کہ وہ جنگ کے موقع پر بہانے کر کے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ انکی زبان پر کچھ ہوتا ہے اور دل میں کچھ اور۔ اس کے علاوہ وہ دوسروں کو بھی جنگ میں شریک ہونے سے روکتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جن لوگوں نے اپنی جان دی وہ ناحق تھی حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اگلی ہی آیت میں یہ کہا ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں جان دیتے ہیں وہ مرتے نہیں بلکہ وہ اللہ کے ہاں سے رزق پا رہے ہوتے ہیں۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ (3:187)

اور اللہ تعالیٰ نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے ضرور بیان کرو گے اور اسے چھپاؤ گے نہیں' تو پھر بھی ان لوگوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا۔ ان کا یہ بیوپار بہت برا ہے۔

یہاں پھر اللہ کی ہدایات کو چھپانے کے بارے میں ذکر آیا ہے۔ جو روش اس وقت کے اہل کتاب کی تھی وہی آج ہمارے مذہبی پیشواؤں نے اختیار کر رکھی ہے۔ اللہ کی ہدایت کو چھپانا اور

مذہب کو ذریعہ معاش بنانا۔ اللہ کا قانون سب کے لئے یکساں ہے' جو بھی اس کی مخالفت کرے گا اس کا انجام بھی دوسروں سے مختلف نہ ہوگا۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَاوَ عَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّ رَاعِنَا لَيًّا ۢ بِاَلْسِنَتِهِمْ وَ طَعْنًا فِي الدِّيْنِ وَ لَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَ انْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَ اَقْوَمَ وَ لٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (4:46)

بعض یہود کلمات کو ان کی ٹھیک جگہ سے ہیر پھیر کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور سن اس کے بغیر کہ تو سنا جائے اور ہماری رعایت کرو۔ اپنی زبان کو پیچ دیتے ہیں اور دین میں طعنہ دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی اور آپ سنئے اور ہمیں دیکھئے تو یہ ان کے لیے بہت بہتر اور نہایت ہی مناسب تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے انہیں لعنت کی ہے۔ پس یہ بہت ہی کم ایمان لائے ہیں۔

عجیب بات ہے کہ جو حرکتیں یہودی کیا کرتے تھے آج کل وہ مسلمان کہلانے والوں نے اختیار کر رکھی ہیں۔ فرقوں میں بٹے ہوئے لوگ کسی دوسرے کی بات سننے کو تیار نہیں ہوتے صرف اپنی بات منوانا چاہتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جو شخص صرف قرآن کریم کی بات کرے اس پر یہ سب مل کر یہی طریقے اس کے خلاف استعمال کرتے ہیں۔ اللہ کی بات بھی (یعنی قرآن کریم) سننے کو تیار نہیں ہوتے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَ الطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا (4:51)

کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے؟ جو جبت کا اور باطل معبود کا اعتقاد رکھتے ہیں اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہ راست پر ہیں۔

یہ بھی اپنے لوگوں کی کیفیت لگتی ہے کہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ کتاب کو چھوڑ کر طرح طرح کی رسومات اور عقائد میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اور ان لوگوں کو برا کہتے ہیں جو صرف اللہ کی کتاب کو معیار بنانے پر زور دیتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ☆ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ☆ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّ تَوْفِيْقًا (4:60-62)

کیا آپ نے انہیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ آپ پر اور جو کچھ آپ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے' لیکن وہ اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں' شیطان تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے۔ ان سے جب کبھی کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول ﷺ کی طرف آؤ تو آپ دیکھ لیں گے کہ یہ منافق آپ سے منہ پھیر کر رکے جاتے ہیں۔ پھر کیا بات ہے کہ جب ان پر ان کے کرتوت کے باعث کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو پھر یہ آپ کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور میل ملاپ ہی کا تھا۔

یہاں ایک اور انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ زبانی ایمان لانا بے معنی ہوتا ہے۔ اگر فیصلے اللہ کی کتاب کے مطابق نہیں ہوتے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیطان کا اتباع کیا جا رہا ہے جو گمراہی کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ اللہ کی راہ (جو صرف قرآن کریم میں ہے) میں روکاوٹ ڈالنے والے منافق بھی ہوتے ہیں۔ اور تیسری آیت میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ انسان جن مصائب اور مشکلات سے دوچار ہوتا ہے ان کا سبب اس کے اپنے اعمال ہوتے ہیں۔ (جو کہ اللہ کی ہدایت کے برعکس ہوتے ہیں) لہٰذا اس طرح کے واقعات کا ذمہ دار اللہ تعالیٰ کو ٹھہرانا صحیح نہیں ہوتا۔

وَ يَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ وَ اللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (4:81)

یہ کہتے تو ہیں کہ اطاعت ہے' پھر جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں کی ایک جماعت' جو بات آپ نے یا اس نے کہی ہے اس کے خلاف راتوں کو مشورے کرتی ہے' ان کی راتوں کی بات چیت اللہ لکھ رہا ہے' تو آپ ان سے منہ پھیر لیں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں' اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے۔

انسان کے دوغلے پن کی بہت سی صورتیں ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں مختلف مقامات پر آیا ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے سامنے کسی بات کا محض اقرار کرتا ہے لیکن وہ دل سے اسے نہیں مان رہا ہوتا تو وہ اس غلط فہمی میں مبتلا ہوتا ہے کہ اس کی حقیقت ظاہر نہیں ہوگی۔ حالانکہ اللہ کے قانون کے دائرے سے کوئی شے باہر نہیں ہے۔ ایسے لوگ بھروسے کے قابل نہیں ہوتے۔ صرف اللہ کے قانون پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے قانون کا اتباع کر رہا ہو وہ بھی قابل بھروسہ ہو جاتا ہے۔

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَ لَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّ لَا نَصِيْرًا (4:89)

ان کی تو چاہت ہے کہ جس طرح کے کافر وہ ہیں تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہو جاؤ' پس جب تک یہ اسلام کی خاطر وطن نہ چھوڑیں ان میں سے کسی کو حقیقی دوست نہ بناؤ' پھر اگر یہ منہ پھیر لیں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں' خبردار ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا۔

جو لوگ قرآن کریم کی باتوں کا انکار کرتے ہیں ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اپنے عقائد پر لے آئیں بجائے اس کے کہ وہ خود قرآن کریم کا اتباع کریں۔ یہ انسانی روش ہے کہ وہ خود تبدیل ہونے کی بجائے دوسروں کو تبدیل کرنا چاہتا ہے۔ دوسری بات اس آیت میں یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو دوست نہیں بنانا چاہیے جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو چھوڑ نہ دیں۔ قتل کرنے کی بات قرآن کریم کی دوسری آیات سے مشروط ہے۔ صرف اس آیت کو لے کر قتل عام کا جواز نہیں نکالا جا سکتا نہ ہی یہ انفرادی طور پر کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ کام اسلامی حکومت کا ہے۔

يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَ لَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَ هُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَ كَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا (4:108)

وہ لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں' اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے' وہ راتوں کے وقت جب کہ اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں اس وقت بھی اللہ ان کے پاس ہوتا ہے' ان کے تمام اعمال کو وہ گھیرے ہوئے ہے۔

اکثر لوگوں کا اس بات پر پختہ ایمان نہیں ہوتا کہ انہیں اپنے اعمال کے نتائج بھگتنے ہوں گے ورنہ وہ کوئی غلط کام کرنے سے پہلے سو بار سوچتے یا پھر ان کے ملاؤں نے انہیں غلط فہمی میں مبتلا کر رکھا ہے کہ اللہ انہیں معاف کر دے گا۔ ان کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ ان کی غلط کاریاں دوسروں کو معلوم نہ ہو سکیں لیکن اللہ تعالیٰ کی واضح ہدایت موجود ہے کہ وہ ہر عمل کے بارے میں باخبر ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا بدلہ ضرور ملے گا۔ *(جاری ہے)*

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام باری، مانچسٹر

قرآن اور نوعِ انسان

جس طرح کسی مشینری کو کام میں لانے کے لئے اسے بنانے والا اس کے ساتھ ہدایات (Instructions and Manual book) لکھ کر دیتا ہے تاکہ جس مقصد کے لئے وہ مشینری بنائی گئی ہے وہ مقصد بحسن وخوبی سرانجام پاتا رہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسان کی تخلیق کے بعد، زندگی کے ارتقائی عمل کو جاری رکھنے کے لئے وقتاً فوقتاً انبیائے کرام علیہم السلام کی وساطت سے وحی کے ذریعے ہدایات بھیجیں۔ اس سلسلہ کی آخری کڑی قرآن کریم وہ مجموعۂ ہدایات ہے جسے آخری نبی محمد ﷺ پر نازل کیا گیا۔ ماہِ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں نزولِ قرآن کی ابتدا ہوئی تھی۔ وہ قرآن جو تمام نوعِ انسانی کو اس کی منزلِ مقصود تک پہنچنے کی ایسی راہ بتاتا ہے جو واضح اور ابھری ہوئی ہے، اور مستقل اقدار کے پیمانے پیش کرتا ہے تاکہ حق و باطل میں تمیز ہوتی رہے۔ (حق اور باطل، جائز اور ناجائز، صحیح اور غلط کا تعین انسان کے بس کی بات نہ تھی) اللہ کا ارشاد ہے یہ تو بڑا ظلم ہوتا کہ جن اصولوں کے تابع چلنے سے انسانی زندگی نے کامیاب ہونا تھا، وہ اصول انسان کو نہ بتائے جاتے۔ سورہ الدخان کے شروع میں خدائے حمید و مجید کا ارشاد ہے کہ یہ کتابِ مبین یہ واضح ضابطہ حیات اپنی صداقت پر آپ شاہد ہے۔ اس کا آغاز نزول (ماہِ رمضان کی) ایک ایسی ''رات'' (Ramadhan of dark age) میں ہوا جو ساری دنیا کے لئے صد ہزار برکات وسعادت کا موجب بن گئی (اور جس میں دنیا کو حق و باطل کے ماپنے کے پیمانے مل گئے)۔ یہ ہمارے اسی پروگرام کے مطابق نازل ہوئی جس کی رو سے ہم شروع ہی سے انسانوں کو ان کی غلط روشِ کے نتائج سے آگاہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ اس میں ان تمام امور کو جو آسمانی حکمت پر مبنی ہیں (غلط امور سے) الگ کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ یہ کتاب ہماری طرف سے وحی ہوئی ہے (جیسا کہ اوپر کہا جا چکا ہے) ہم شروع ہی سے اس وحی کو دے کر اپنے رسولوں کو بھیجتے رہے ہیں۔ یہ خدا کی رحمت ہے (جو اس نے انسانوں کی راہنمائی کے لئے وحی کا سلسلہ جاری کیا) وہ سب کی سنتا ہے اور جانتا ہے (کہ انسان کو زندگی کی راہوں پر خطرات سے بچ کر چلنے کے لئے کس کس بات کی ضرورت ہے)۔ یہ اس خدا کے نظامِ ربوبیت کی ایک کڑی

ہے جو کائنات کی ہر شئے کی نشوونما اس حسن وخوبی سے کر رہا ہے۔ (وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جہاں تک انسان کا تعلق ہے اس کی نشوونما کے لئے طبیعی سامانِ زیست کے علاوہ' اسے وحی کی راہنمائی کی بھی ضرورت ہے جس کے بغیر اس کی ذات کی نشوونما نہیں ہوسکتی)۔ اگر تم عقل وبصیرت سے کام لوگے تو تمہیں اس حقیقت کا یقین آ جائے گا (کہ انسان کو واقعی انفرادی اور اجتماعی' تمدنی' سیاسی ومعاشی زندگی کے لئے وحی کی روشنی کی اسی طرح ضرورت ہے جس طرح آنکھ کو سورج کی روشنی کی)۔ اس لئے کہ نشوونما ایک لگے بندھے قانون کے مطابق ہوسکتی ہے اور کائنات میں خدا کے علاوہ اور کسی کا قانون کارفرما نہیں حتیٰ کہ اشیائے کائنات اور افراد کی طرح قوموں کی موت اور حیات (زوال وعروج) بھی اسی کے قانون سے وابستہ ہے۔ یہ ہے وہ خدا جو تمہاری نشوونما کا بھی اسی طرح کفیل ہے جس طرح تمہارے آباء واجداد کی نشوونما کا کفیل تھا اور اسی لئے جس طرح اس نے تمہارے آباء اجداد۔۔۔ سابقہ اقوام کی راہنمائی کے لئے وحی بھیجی تھی' تمہاری راہنمائی کے لئے بھی وحی بھیجی ہے۔ یہ (قرآن) اس خدا کی طرف سے بھیجا ہوا ہے جو تمام نوعِ انسان کا نشوونما دینے والا ہے۔ اس کے اتباع کا مقصود بھی عالمگیر انسانیت کی نشوونما ہے۔

قرآن کریم میں کچھ احکام ہیں اور زندگی کے باقی گوشوں کے لئے ابدی اصول دیئے گئے ہیں تاکہ ہر زمانے کی قرآنی امت' اپنے اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق ان اصولوں کی روشنی میں اور ان کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے اپنے لئے جزئی قوانین خود وضع کرے۔ قرآنی اصول ہمیشہ کے لئے غیر متبدل رہیں گے لیکن ان کی روشنی میں انسانوں کے مرتب کردہ قوانین میں عندالضرورت تبدیلی ہوتی رہے گی۔ قرآن ہمیشہ کے لئے علیٰ حالہٖ رہے گا۔ اس کی کوئی آیت نہ منسوخ ہے اور نہ منسوخ ہوسکتی ہے کیونکہ نزول وحفاظتِ قرآن کے بعد' نبوت کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔ اب جو شخص براہِ راست خدا سے علم پانے کا مدعی ہے وہ خدا پر افتراء باندھتا ہے۔ خدا نے انسانوں کو جو علم براہ راست دینا تھا وہ قرآن کے اندر آخری مرتبہ مکمل شکل میں دے دیا گیا ہے۔ جو مملکت قرآن کو اپنا ضابطہ زندگی (دستور مملکت) قرار دے گی اسے اسلامی مملکت کہا جائے گا اور جو نظام قرآن کی روشنی میں قائم ہوگا اسے اسلامی نظام۔ اس نظام کی مثل ونظیر کوئی اور نظام نہیں ہوسکتا اور نہ ہی اس میں کسی اور نظام (مغربی جمہوریت وغیرہ) کا پیوند لگ سکتا ہے۔ ایسا کرنا شرک ہو گا۔

اسے سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن کریم میں جو کچھ آیا ہے وہ مستقل' محکم' غیر متبدل ہے۔ اس میں کسی قسم کا حک واضافہ اور تغیر وتبدل نہیں ہوسکتا۔ اس کے سوا اس پر ایمان (یقین۔ اس میں دیئے گئے قوانین پر بھروسہ اور ان کے مطابق کام کرنے والے) رکھنے والے مسلمانوں کا ضابطہ زندگی (آئین) کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

ایمان بلا عملِ خیر

ایمان لانے کے معنی ہوتے ہیں کسی دعویٰ کو یقینی طور

پر سچا تسلیم کر لینا مثلاً قرآن کریم نے کہا ہے کہ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُون (۶/۲۱) ظالم کی کھیتی کبھی پنپ نہیں سکتی۔ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس دعویٰ پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ دل کے پورے یقین کے ساتھ سمجھ لیا جائے کہ ظلم کی روش کبھی کامیاب نہیں ہوسکتی۔ یہ ہیں ایمان کے معانی اور ایمان سے مقصد یہ ہے کہ اس کے بعد اس کے مطابق عمل کیا جائے۔ اگر ایسا نہیں تو ایمان بے مقصد ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ انسان اس کی صداقت کو اس وقت تسلیم کرے جب اس کے مطابق عمل کرنے کے لئے وقت ہی نہ ہو اور دوسرے یہ کہ زبان سے تو اس دعوے کی صداقت کو تسلیم کر لیا جائے لیکن عمل اس کے مطابق نہ کیا جائے۔ دونوں صورتوں میں ایمان بے معنی اور بے مقصد ہوگا۔ ایسے ایمان کو قرآن ایمان تسلیم ہی نہیں کرتا۔ خدا کا ارشاد ہے کہ:

لَا یَنفَعُ نَفْساً إِیْمَانُهَا لَمْ تَکُنْ آمَنَتْ مِن قَبْلُ أَوْ کَسَبَتْ فِیْ إِیْمَانِهَا خَیْراً (۶/۱۵۹)۔

(ان سے کہہ دو کہ جس دن خدا کی ''محسوس نشانیاں'' سامنے آیا کرتی ہیں) اس وقت کسی ایسے شخص کا ایمان لانا اس کے لئے نفع بخش نہیں ہوتا جو اس سے قبل ایمان نہیں لایا تھا۔ یا جس نے اپنے ایمان کے ساتھ عملِ خیر نہیں کیا تھا۔)

ہماری حالت

ہم نے کتاب (قرآنِ حکیم) سے انکار نہیں کیا لیکن اس کے خلاف زندگی بسر کرنے سے' دنیا کی نگاہوں میں اس کے دعاوی کو جھوٹا ثابت کر دکھایا۔ اس نے کہا تھا کہ اس کتاب کے ماننے والے (مومن) تمام اقوامِ عالم پر غالب رہیں گے۔ ہم نے دنیا سے کہا کہ ہم اس کتاب کے ماننے والے ہیں۔ لیکن اس کے بعد ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اقوامِ عالم میں پست ترین درجہ پر ہیں۔ اس سے وہ اقوام کس نتیجہ پر پہنچیں گی؟ اسی نتیجہ پر کہ اس کتاب کا یہ دعویٰ (کہ اس کے ماننے والے تمام اقوام عالم پر غالب رہیں گے) معاذ اللہ جھوٹا ہے۔ اس طرح ہماری حالت' قرآن کے اس دعویٰ کی تکذیب کر رہی ہے اور اس کا نتیجہ ہے وہ مسلسل عذاب جس میں ہم ماخوذ چلے آ رہے ہیں۔

نماز' روزے' عمرہ' حج ان تمام فرائض کی ادائیگی ہو رہی ہے لیکن ان اعمال کے نتائج قرآن کے مطابق کیوں نہیں نکل رہے؟ علامہ اقبالؒ نے ایک شعر میں بتایا تھا کہ

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تُو باقی نہیں ہے

ہم نے اللہ کے عطا کردہ دین (اجتماعی نظامِ زندگی Collective system of life) کے قیام و استحکام کے ''ذرائع'' کو مقصود بالذات سمجھ رکھا ہے' لیکن نظام کو بھلا رکھا ہے۔ حالانکہ قرآن کی پہلی سورت کی پہلی ہی آیت سے نظام کی بات شروع کی گئی ہے اور اس کے بعد قرآن کی ساری تعلیم کا محور نظام (دین) ہے۔

ایک گھڑی کے تمام پُرزے ایک ٹیبل پر الگ الگ رکھ دیجئے ہر روز ان پرزوں کو صاف کر کے واپس اسی طرح اکیلے اکیلے رکھتے جائیے اور ساتھ اس گھڑی کی Manual book پڑھتے رہیں یا کسی کو طوطے کی طرح پڑھاتے رہیں۔ سال ہا سال یہ کام کرتے رہیں سوائے وقت ضائع کرنے کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ بنک میں جمع کردہ رقم کی طرح یہ پرزے بے کار ہیں۔ جونہی ان پرزوں کو گھڑی کی Manual book کے مطابق Assemble کریں گے نتیجہ ڈائل کی شکل میں سامنے آ جائے گا۔ اور انسانوں کے لئے منفعت بخش ہو گا۔ کیونکہ اب ان پرزوں نے ایک System کے مطابق یعنی نظام کے Under کام کرنا شروع کر دیا ہے۔

انسانوں کا خود ساختہ جمہوری نظام عذاب وفساد ہے "اللہ کا عطا کردہ قرآنی نظام (دین) امن وسلامتی کی ضمانت دیتا ہے"۔

قرآنی نظام میں حقِ حکومت صرف خدا کو حاصل ہوتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کا یہی مطلب ہے There is no Sovereign except Allah یعنی حکومت' کتاب اللہ پر عمل کرانے کے لئے قائم کی جائے گی (۶/۵۷)۔۔۔ (۶/۶۲)۔لیکن فی الحال ہر محراب ومنبر سے اس نظام کی مخالفت زوروں پر ہے (۹/۳۴) خدا کا قول سچ ہے کہ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ (۱۲/۱۰۶)۔ ان میں اکثریت ایمان کے دعویٰ کے باوجود مشرک ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(چوتھا باب)

سورۃ الملک

(آیات 15 تا اختتام)

عزیزانِ من! آج اکتوبر 1983ء کی 21 تاریخ ہے اور درسِ قرآنِ کریم کا آغاز سورۃ الملک کی آیت 15 سے ہو رہا ہے: (67:15)۔

آپ کو یاد ہوگا کہ بات یہاں سے شروع کی تھی کہ یہ آسمانی کرّے یا ستارے کس مصرف کے لیے بنائے گئے ہیں۔ یہ لوگ انسانوں کی قسمت ان کی گردشوں سے ماپتے ہیں اور یہ کہ قرآن نے ان کی گردشوں سے انسانوں کی قسمت ماپنے کو کفر قرار دیا ہے۔ اس نے کہا کہ ستارے ہی نہیں بلکہ **سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ** (45:13) کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں، مختلف کرّوں میں، ساری کائنات میں، جو کچھ بھی ہے، وہ انسان کے لیے مسخر کر دیا ہے، وہ اس کے تابعِ تسخیر ہے، انسان ان کے تابع نہیں ہے۔ اسی سلسلے میں آگے بڑھتے ہوئے ہم اس آیت پہ آ رہے ہیں کہ **هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا** ❶ (67:15)۔ اس آیت میں ''ذلول'' کا لفظ آیا ہے۔ یہ زمین دیکھیے، یہ تو تمہارے پاؤں تلے ہے اور دیکھو تو سہی کہ ''یہ تمہارے تابع تسخیر ہے۔''

کائنات کی ہر شے انسان کے لیے مسخر کر دی گئی ہے

آسمانوں کی بات تو چھوڑ دیجیے۔ انہی کرّوں میں یہ زمین بھی تو ایک کرّہ تھا۔ اسے تو تم دیکھتے ہو اور پھر اس سے کام لیتے ہو: **فَامْشُوْا فِيْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ** (67:15) ایک تو یہ ہے کہ تم ان مختلف راستوں میں چلو پھرو اور دوسرے معنوں میں یہ کہ اس سے رزق حاصل کرنے کے لیے تم مختلف طریقے اختیار کر سکتے ہو۔ جس طرح سے بھی چاہو تم اس سے کام لے سکتے ہو، یہ انکار ہی نہیں کر سکتی، سرکشی نہیں کر سکتی، تمہارے سامنے اٹھ کے کھڑی نہیں ہو سکتی حالانکہ یہ اتنی بڑی عظیم الجثہ ہے لیکن اس کے باوجود ایک انسان یا ایک فرد کے مقابلے میں اس کی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کی کیفیت تو یہ ہے کہ یہ حضرتِ انسان جس طریق سے چاہے اس کو

---

❶ اس (یعنی اللہ) نے تمہاری نشوونما کے لیے یہ انتظام کر رکھا ہے کہ رزق کے سرچشموں (زمین) کو تمہارے تابع تسخیر بنا دیا۔ (مفہوم القرآن۔ پرویز)

استعمال کرتا چلا جائے' یہ اس سے نہ انکار کرے گی' نہ سرکشی اختیار کرے گی۔ اور اس کے رزق میں سے جو کچھ دیا گیا ہے' اسے تم کھاؤ' یہ من رزقه ہے۔

عزیزانِ من! میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن میں ایک لفظ رحمت ہے اور ایک ربوبیت ہے۔ رحمت اس طریق سے سامانِ نشوونما مہیا کرنے کو کہیں گے جس طرح رحمِ مادر میں بچے کو سامان ملتا ہے۔ اس میں اس بچے کی اپنی کسی کوشش یا Effort کا دخل ہوتا ہی نہیں' یعنی وہ ابھی اس پوزیشن میں ہوتا ہی نہیں کہ اپنے لیے کچھ کر سکے۔ اُسے یہ سامانِ نشوونما باہر سے ملتا ہے مگر باہر سے یہ مراد نہیں ہے کہ خارجی کائنات سے ملتا ہے۔ اسے یہ سامان ماں کے جسم سے ہی ملتا ہے لیکن وہ از خود ملتا چلا جاتا ہے۔ وہ بچہ ابھی اس پوزیشن میں نہیں ہوتا کہ اس کے حاصل کرنے کے لیے کچھ خود Effort کرے' محنت کرے تو رزق حاصل ہو۔ اب جونہی وہ بچہ پیدا ہوتا ہے اُسی سامانِ نشوونما کا ملنا خدائے رحیم کی طرف سے تبدیل ہو جاتا ہے۔ اب وہ ماں کی چھاتیوں کے دودھ سے ملتا ہے۔ اب یہ دودھ اُسے پینا پڑتا ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ اب یہ جو باہر کی دنیا ہے' یہ Cause & Effect (علت ومعلول) کی دنیا ہے' جس میں یہ نظامِ اسباب ہے۔ جب وہ اِس دنیا میں آتا ہی ہے تو وہ سامان تو اُسے اسی طرح رحمت کے ذریعے سے دیا جاتا ہے لیکن اب اسے خود پینا پڑتا ہے اور ماں کو وہ پلانا ہوتا ہے۔ اس سے آگے بڑھیے تو سامانِ نشوونما کھانے پینے کی چیزوں میں آتا ہے۔ اس میں جتنی چیزیں' بنیادی طور پر' رزق حاصل کرنے کے لیے تھیں وہ ساری خدا کی طرف سے مہیا ہیں۔ اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے تو ان کے لیے ذرائع رزق مہیا کر دیئے۔ اب ہم ان کو ذرائع رزق ہی کہیں گے۔ وہاں یہ چیز خود رحمِ مادر میں رزق تھی' اب ذرائع رزق ہیں۔ اس میں خود انسان کو محنت کر کے رزق حاصل کرنا ہوگا۔ دیئے ہوئے یہ جو ذرائع ہیں' یہ بھی خدا ہی کے دیئے ہوئے ہیں لیکن اب اس میں انسان کی اپنی محنت کو بھی دخل ہوگا۔ اس محنت کے ذریعے ان چیزوں سے وہ رزق حاصل کیا جائے گا' تو اس اعتبار سے کہ یہ ذرائع خدا ہی کے پیدا کردہ ہیں' اسے آپ خدا کا رزق کہیے۔ اور اس اعتبار سے کہ اسے انسانوں نے اپنی محنت سے ان ذرائع سے حاصل کیا ہے یہ ان کا رزق کہیے۔ یہ سامانِ نشوونما ہے: وَكُلُوا مِنْ رِّزْقِهٖ ❶ (67:15)

مومن اور کافر میں سوچ کا فرق

اب یہاں تک کافر اور مومن سب یکساں ہیں۔ جس کا جی چاہے اس زمین سے رزق حاصل کرے' کوشش کرے' محنت کرے اور جو زیادہ کوشش اور محنت کرے گا اس کو زیادہ حاصل ہو جائے گا۔ اس حاصل ہونے میں ابھی کفر اور ایمان نہیں آتا' وہ آگے آتا ہے۔

---

❶ اور اس طرح اس کے عطا کردہ رزق کو اپنے استعمال میں لاؤ۔ (مفہوم القرآن۔ پرویز)

جب یہ رزق حاصل ہو جائے تو پھر اس کی تقسیم کس طرح سے ہونی چاہیے؟ اصل چیز یہاں آتی ہے۔ یہ ہے مقامِ کفر اور مقامِ ایمان۔ جو خدا کے اقدار اور قوانین کے تابع نہیں ہیں وہ اپنی منشا' مقصد اور مفادات کے مطابق یہ انتظام کرتے ہیں جسے آپ معاشی انتظام کہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے آج آدھی سے زیادہ دنیا رات کو بھوکی سوتی ہے' اور جنہیں کچھ ملتا بھی ہے وہ ایسا ہے کہ ان بڑے لوگوں کے کتوں کو جو کچھ ملتا ہے وہ ان کے بچوں کے نصیب میں بھی نہیں ہوتا۔ وہ ذرائع رزق خدا کے پیدا کردہ ہیں' اُنہی میں سے یہ سارا رزق حاصل ہوا ہے۔ اب آگے بڑھ کے یہ فرق پڑا ہے۔ یہ ہے کفر اور ایمان کا فرق۔ قرآن نے یہاں دو لفظ کہے ہیں: وَ اِلَیۡہِ النُّشُوۡرُ ❶ (67:15)۔ اب ہمارے ہاں اس کے جو عام تراجم ہوئے ہیں' اُن سے بات سمجھ میں نہیں آتی۔

عزیزانِ من! پہلے یہ دیکھیے کہ اس نے زمین کو تمہارے تابع فرمان بنایا' پھر کہا کہ مختلف طریقے اختیار کرو' اس میں سے رزق حاصل کرو۔ اب رزق حاصل کرنے کے بعد اسی آیت کے اگلے حصے کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ ''پھر مرنے کے بعد تم نے اسی طرف جانا ہے۔'' یہ تو حقیقت ہے کہ جانا ہے لیکن یہاں اس ترجمے کا ربط نہیں بنتا۔ یہ مرنے کے بعد' اس کی طرف جانا کیا ہے؟ یہ ربط نہیں ملتا۔ رزق حاصل کرنے تک تو آ گئے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے کہ اس رزق کے حاصل کرنے میں کافر اور مومن سبھی آ گئے۔

قوانینِ خداوندی کے مطابق رزق کا پھیلانا

عزیزانِ من! قرآن اب آگے ایک فرق پیدا کر رہا ہے۔ ''نشور' نشر'' پھیلانے کو کہتے ہیں' یہ وسعت دینا ہے۔ ناشر کتابوں کا ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں نشر و اشاعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ منشور پھیلائی ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کے معنی ہی ''پھیلانا' وسعت دینا'' کے ہیں اور یہ اس انداز سے دینا ہے جیسے کسی درخت پہ خزاں آ جائے اور اس کے بعد نئے پتے نکل کر جو شاخیں پھیلیں ان کو بھی وہ عربی زبان میں نشور کہتے تھے۔ اب یہاں بات رزق کے پھیلانے کی آ گئی۔ کہا کہ وَ اِلَیۡہِ النُّشُوۡرُ (67:15) اب یہ رزق خدا کے قوانین اور اقدار کے مطابق پھیلایا جائے گا۔ کیا ربط ہے! زمین اس کی پیدا کی ہوئی ہے' انسانوں کی نہیں۔ اسے انسان کے تابع فرمان بنا دیا ہے کہ وہ اس کے خلاف سرکشی نہیں کر سکتی۔ یہ بڑی چیز ہے۔ یہاں سے انسان نے سامانِ ربوبیت لینا ہے' محنت کر کے اس میں سے رزق حاصل کرنا ہے۔ زمین بھی کافر اور مومن سب کے لیے ہے' ذرائع رزق بھی سب کے لیے ہیں' محنت کر کے اس میں سے رزق بھی سب یکساں حاصل کر سکتے ہیں۔ اب آگے اس رزق کے پھیلانے اور تقسیم کرنے کی بات آ گئی۔ یہ شاخِ خزاں دیدہ کو بہار آلود بنانا

---

❶ یہ رزق خدا کے قوانین اور اقدار کے مطابق پھیلایا جائے گا۔ (اس سے یہ نہ سمجھ لو کہ تم ان رزق کے سرچشموں کے واحد مالک ہو' اس لیے انہیں جس طرح جی چاہے اپنے تصرف میں رکھ سکتے ہو۔ یہ امانتاً تمہاری تحویل میں دیئے گئے ہیں۔ انہیں قوانین خداوندی کے مطابق پھیلایا جائے گا۔) (ایضاً)

ہے۔ ❶

لفظ الیہ کا قرآنی مفہوم

عزیزانِ من! اس رزقہ کے بعد الیہ آیا ہے۔اس کے معنی ہیں کہ خدا کی طرف رجوع کر کے‘ وہاں سے رہنمائی حاصل کرو‘ تو اس طریق سے اس رزق کو پھیلاؤ۔ یہ ہو جائے گا تو یہ سارا رزق آپ کا رزقِ حلال ہوگا‘ یہ اسلامی نظام ہوگا اور اگر وہ انسانوں کی اپنی مرضی اور اپنے مفاد کے مطابق ہوگا تو یہ کفر ہو جائے گا۔ یہ اگلی چیز وَاِلَیۡہِ النُّشُوۡرُ کی ہے۔کہا کہ یہ جو تم پھر خود اپنے ہی نظام بناتے ہو‘ خدا کے قوانین ونظام کو نظر انداز کر دیتے ہو تو ءَاَمِنۡتُمۡ مَّنۡ فِی السَّمَآءِ اَنۡ یَّخۡسِفَ بِکُمُ الۡاَرۡضَ فَاِذَا ہِیَ تَمُوۡرُ ❷ (67:16)۔ یہاں بھی اس آیت کا عام ترجمہ کیا جاتا ہے کہ ’’کیا تم اس سے نڈر ہو گئے ہو کہ جو آسمان میں ہے۔‘‘ اب اس کے معنی کیے جاتے ہیں ’’خدا سے مَنۡ فِی السَّمَآءِ جو آسمان میں ہے۔‘‘ ہمارے ہاں عام طور پہ بھی خدا کو اوپر والا کہتے ہیں‘ وہ تو خیر مدارج کے اعتبار سے کہیے۔ جب خدا کے متعلق تصور آتا ہے تو اوپر کو نگاہ جاتی ہے: وہ دیکھ رہا ہے‘ لیکن جب ہم قرآن کا یہ مَنۡ فِی السَّمَآءِ لیں گے‘ کہیں گے کہ جو سما میں ہے‘ اس نے کہا ہے کہ ھُوَ مَعَکُمۡ اَیۡنَ مَا کُنۡتُمۡ (57:4) وہ تو ہر مقام پہ‘ ہر جگہ‘ ہے۔تم جہاں بھی ہو‘ وہ وہاں تمہارے ساتھ ہے۔اب اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ آسمانوں پر ہے حالانکہ وہ الہ السمآء بھی ہے‘ الہ الارض بھی ہے‘ زمین پہ بھی ہے‘ آسمان پہ بھی ہے۔زمین اور آسمان کیا؟ اس کی طرف تو Space یا مکان کی نسبت ہی نہیں کی جا سکتی کہ وہ کہاں ہے اور کہاں نہیں ہے۔ کہاں کا سوال تو مادی چیز کے لیے ہوتا ہے جو ایک وقت میں ایک ہی جگہ ہو سکتی ہے۔

روایات کے تحت عرش کی تعریف

خدا تو ہمارے ان تمام تصورات سے بلند و بالا ہے اس لیے یہ بات نہیں ہے کہ وہ آسمانوں پہ ہے یا وہ عرش پر بیٹھا ہوا ہے اور عرش آسمانوں کے اوپر ہے۔آپ کو پہاڑی بکروں کے سینگوں کے اوپر والی روایت یاد ہوگی۔تو وہ یہ چیز نہیں کہ خدا سماء میں بیٹھا ہوا ہے۔کہا گیا ہے کہ اس سے ڈرو بلکہ سماء‘ قرآنِ کریم کی رو سے‘ خدا کی طرف سے‘ جو قوانین نازل ہوتے ہیں‘ اس کے لیے نازل ہونے کا جو لفظ اس نے کہا ہے‘ وہ بلندیوں سے نیچے کی طرف آنے کی بات ہوتی ہے جسے آپ نزول کہتے ہیں‘ خواہ وہ قوانینِ خداوندی فطرت کے ہوں

---

❶ جس سے انسانیت کا شجرِ خزاں دیدہ از سرِ نو بہار سے ہمکنار ہو سکتا ہے۔ (مفہوم القرآن۔ پرویز)

❷ کیا تم خدا کے قانونِ مکافات سے بالکل بے خوف ہو جاتے ہو؟ ذرا سوچو کہ اگر وہ ان معاشی سہولتوں کو ختم کر دے‘ زمین گرد و غبار (بنجر) بن کر رہ جائے گی۔ (ایضاً)

وہ بھی خدا ہی کے نازل کردہ ہیں' خواہ وہ انسانی دنیا کے لیے ہوں' جو وحی کی رو سے انبیا کرامؑ کو دیئے گئے اور اب آخری مرتبہ وہ قرآن کے اندر محفوظ ہیں۔ یہ جو قوانین ہیں یہ انسانوں کے پیدا کردہ نہیں ہیں۔ نازل ہونے کی جہت سے اس میں یہ ہے کہ یہ اوپر سے تمہیں دیئے جاتے ہیں۔ اس میں تصور صرف اوپر سے دینے کا اتنا ہی ہے کہ یہ تمہارے اپنے پیدا کردہ نہیں ہیں۔ یہ انسانوں کی دنیا کے لیے خدا کی طرف سے دیئے جاتے ہیں۔ تو یہ جو (مَنْ فِی السَّمَآءِ) کے متعلق ہے کہ کیا تم اس سے خائف ہو گے؟ بات یہی ہے کہ قوانینِ خداوندی کی خلاف ورزی کرنے سے جو تباہیاں اور بربادیاں آتی ہیں کیا تم اس سے نڈر ہو گئے ہو؟

رزق کی تقسیم ربوبیت عالمینی کی بنا پر کرنا ہو گی

ذرائع رزق کے سلسلہ میں قرآن کا پہلا لفظ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے' ربوبیتِ عالمینی ہے لہٰذا جس تقسیمِ رزق کے اندر طبقات کی تقسیم آ جائے گی اور عالمینیت نہیں رہے گی وہ رزق رب کا نہیں رہے گا' انسانوں کا ہو جائے گا' وہ کفر ہو جائے گا' اسلام نہیں رہے گا۔ کہا کہ تم جو پھر ہماری بنائی ہوئی زمین سے' ہمارے پیدا کردہ ذرائع رزق سے' رزق حاصل کرنے کے بعد' ہمارے پیمانوں کے مطابق اس کی تقسیم نہیں کرتے' ان پیمانوں کے مطابق اسے نہیں پھیلاتے' اپنے پیمانوں' اپنے قوانین' اپنے نظام' کے مطابق پھیلاتے ہو اور تباہیاں لاتے ہو' تو کیا تم اتنے اس چیز سے نڈر ہو گئے ہو؟ اور سمجھتے ہو کہ یہ ذرائع رزق اس نے پیدا کر دیئے تو اب اس کا کوئی ان پہ تسلط اور غلبہ نہیں رہا ہے؟ کہا کہ سوچو تو سہی اگر وہ زمین کو ایسا کر دے کہ وہ ساری کی ساری بنجر ہو جائے' اس میں کسی چیز کے پیدا کرنے کی صلاحیت نہ رہے تو کونسا دوسرا خدا لے کر آؤ گے جو اس زمین کو پھر پیداوار کے قابل بنا دے؟ ہم نے اسے پیدا کیا ہے اور ایسا پیدا کیا ہے کہ اس میں کھیتی اگنے اور رزق پیدا کرنے کی صلاحیت رکھ دی ہے اور اگر اس صلاحیت کو سلب کر لیا جائے تو اسے کوئی انسان نہیں پیدا کر سکتا۔ ہاں البتہ اس صلاحیت سے فائدہ اٹھانا انسان کے علم کی بات ہے' اسے Improve (بہتر) کرنا بھی اس کے علم کی بات ہے لیکن وہ جو بنیادی طور پر اس میں یہ صلاحیت رکھ دی گئی ہے کہ وہ رزق پیدا کرے گی یہ صلاحیت کوئی انسان نہیں پیدا کر سکتا' یہ چیز Mechanically (میکانکی لحاظ سے) نہیں ہو سکتی۔ کہا کہ اگر یہ صورت ہو کہ زمین کو ایسا کر دیا جائے کہ وہ گرد و غبار بن جائے' بنجر بن جائے' ویرانہ ہو جائے' کہو کیا کیفیت ہو گی تمہاری؟ ہم اِسے تصور میں بھی نہیں لا سکتے' وہ تو اگر کہیں تھوڑا سا خطہ زمین بھی ایسا ہو جائے کہ جہاں سیم اور تھور ہو جائے اس ملک میں مصیبت آ جاتی ہے۔ اگر ساری کی ساری زمین ایسی ہو جائے تو کہو کیا حال ہو گا۔

عزیزانِ من! قرآن کا اسلوب عجیب و غریب ہے۔ وہ محسوس چیزوں کی تشبیہات کے ذریعے سے بات واضح کرتا ہے اور پھر اسے انسانوں کی دنیا کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ ہے خدا۔ پھر کہا کہ اَمْ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَاءِ اَنْ یُّرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا ط

فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ (67:17) سوچو تو سہی کہ کس امن میں تم اس ارض کے اوپر ہو' کتنے کتنے بڑے عظیم کرّے اس کے اوپر گردش میں ہیں' تم آرام اطمینان سے بیٹھے ہو' اگر وہ کرے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں یا ان کرّوں سے زمین پر پتھر برسنے شروع ہو جائیں تو تم کہاں سر چھپاؤ گے۔ زمین کے بنجر بننے سے بھوک سے مرو گے' کچھ دن تو زندہ رہ سکو گے' اور اگر کہیں کسی وقت اس ساری زمین کے اوپر سے پتھروں کی بوچھاڑ شروع ہو جائے تو وہ تو انسان دو منٹ کے اندر ختم ہو سکتے ہیں۔ تمہیں یہ رزق بھی دیا اور یہ امن بھی دیا۔ اس سے تم اندازہ نہیں لگاتے کہ یہ ان چیزوں کی کنٹرول کرنے والی کوئی اور ہستی ہے اور وہ ایسی ہستی ہے کہ اس کا انسانوں کے ساتھ یہ تعلق ربوبیت اور رحمت کا ہے کہ اس نے یہ کچھ بنایا ہے۔ اس لیے تم امن میں بھی رہتے ہو' تمہیں رزق بھی میسر رہتا ہے اور تم اس وقت ان باتوں کو یونہی مذاق سمجھ رہے ہو فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ [1] (67:17)

غلط تقسیمِ کار کا نظام خوفناک تباہی ہوگا

یہاں اِس آیت میں وہی نذیر کی بات آئی ہے کہ یہ جو انہیں کہا گیا ہے کہ اب یہ جو کچھ تمہیں اس کائنات سے حاصل ہوا اس کی تقسیم' اس کی نشر و اشاعت' اس کا وسعت دینا' اس کا پھیلانا' تم خدا ہی کے قانون اور اقدار کے مطابق کرو پھر تم اس کی طرف سے امن میں رہو گے۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو یہ ٹھیک ہے کہ تمہاری زمین بھی بنجر نہیں بنے گی' تم پر آسمان سے پتھر بھی نہیں برسیں گے لیکن یہ جو تمہارے ہاں غلط تقسیم کا نظام ہوگا وہ ایسی تباہی لائے گا جو ان دونوں تباہیوں سے زیادہ خوفناک اور خطرناک ہوگی تو فَسَتَعْلَمُوْنَ كَيْفَ نَذِيْرِ (67:17) اس سے تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ جو تمہیں وارننگ دیجاتی تھی' وہ جو کہا جاتا تھا کہ اس غلط نظام کے نتائج بڑے تباہ کن ہونگے اور تم اس کا مذاق اڑایا کرتے تھے' تم اس کا یقین نہیں کیا کرتے تھے' تمہیں عنقریب پتہ چل جائے گا۔ آہستہ آہستہ یہ چیز تمہارے سامنے آ جائے گی کہ غلط نظام کا نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں تو اس وقت بھی ساری دنیا جہنم بنی ہوئی ہے' ہم تو اپنے بسم اللہ کے گنبد سے باہر ہی نہیں نکلتے۔

آج پورا یورپ اور پورا امریکہ تباہی کے کنارے کھڑا ہے

ہمیں معلوم نہیں ہے کہ سارے یورپ اور امریکہ کی اقوام' جو ہم سے اتنی آگے ہیں' غلط نظامِ زندگی کے ہاتھوں کس طرح اس وقت واویلا کر رہی ہیں۔ ان کے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ معاشی فراوانی کی یہ کیفیت ہے کہ وہ ساری دنیا کو Aid (امداد) دے رہے ہیں'

---

[1] تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ہماری ان تنبیہات کا مطلب کیا تھا؟ (قوموں کی تباہی طبعی حوادث سے ہی نہیں ہوا کرتی۔ یہ غلط نظامِ تمدن کا نتیجہ بھی ہوتی ہے۔) (مفہوم القرآن۔ پرویز)

اپنی حالت یہ ہے کہ بڑے سے لے کر چھوٹے تک کوئی بھی ایک دن آرام کی زندگی بسر نہیں کرسکتا۔ فطرت کی طبعی قوتوں پر تو انہوں نے کنٹرول حاصل کرلیا ہے' یہاں تک تو ٹھیک ہے لیکن یہ جو اگلی چیز وَاِلَیۡہِ النُّشُوۡرُ ہے یہاں آ کر وہ مس (Miss) کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے ہی مفاد کی خاطر' اپنے ہی نظام کے تابع' رزق پہ کنٹرول کر رکھا ہے۔ نتیجہ یہ کہ ہم تو خیر کسی شمار میں ہی نہیں ہیں جن کو آپ سپر پاورز کہہ رہے ہیں وہ ایک دوسرے سے اس قدر ڈرا اور کانپ رہی ہیں کہ وہ اپنی اپنی جگہ پہ لرزاں اور ترساں ہیں۔ ان کی ساری Energies (توانائیاں)' ان کی ساری قوت' ان کی ساری فکر' اس میں صرف ہوتی ہے کہ اگر اس قوت نے یا فلاں پاور نے اس قسم کی ٹیکنالوجی ایجاد کرلی یا ہتھیار حاصل کرلیے تو ہم کیا کریں گے۔ پھر وہ اس کی مدافعت کے لیے' اس کی Prevention (روک تھام) کے لیے' لگ جاتے ہیں۔ ادھر والا یہ کہہ رہا ہے کہ اگر اس نے وہ میزائل ایسا بنا دیا کہ ماسکو سے چھوڑا نیویارک پہنچ گیا تو اس سے بچنے کی صورت کیا ہوگی؟ وہ کہتے ہیں کہ آسمان کے اوپر ایک سیارہ بھیجتے ہیں' وہ پتہ چلا لے گا۔ یعنی ساری فکر ہی اس میں صرف ہو رہی ہے' تمام Energies (توانائیاں) اس میں صرف ہو رہی ہیں۔

چاروں طرف خوف و ہراس چھایا ہوا ہے

عزیزانِ من! اس طرح پورے کرّہ ارض پر انسانوں کے ہاتھوں انسانوں کو امن نصیب نہیں ہے۔ اب سوچیے کہ قرآن نے کہا تھا کہ ء امنتم کیا تم اس سے امن میں آ جاتے ہو؟ آ سکتے ہو امن میں؟ کیا لفظ قرآن لایا ہے! لہٰذا یہ کیوں کر ہوسکتا ہے نظام تو غلط ہو لیکن انسان امن و سکون کی نیند سو سکے۔ آج حالت یہ ہے کہ ایک Individual (فرد) بھی اس وقت دنیا کے اندر امن میں نہیں ہے' جب کہ اس کے برعکس نظامِ خداوندی کی بنیادی خصوصیت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ وَلَا ہُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ خوف کوئی نہیں ہوگا' اس سے امن ہوگا' کسی قسم کی دل گرفتگی نہیں ہوگی بلکہ اس نظام سے اطمینان ہوگا' اگر الیہ النشور ہوگا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا لیکن ہوا اس کے برعکس۔ اس لیے کہا کہ وَلَقَدۡ کَذَّبَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ فَکَیۡفَ کَانَ نَکِیۡرِ [1] (67:18)۔

تاریخ کے بعد مظاہرِ فطرت کی شہادت

عزیزانِ من! قرآن مظاہرِ فطرت کے بعد تاریخ کو شہادت میں پیش کیا کرتا ہے۔ کہا کہ پہلے اقوامِ سابقہ کی تاریخ پہ غور کرو۔ جس نے قوم کا غلط نظام بنایا' پھر دیکھو کہ اس کا انجام کیا ہوا۔ کہا کہ اور دیکھنا چاہتے ہو کہ ہمارا کنٹرول کیا ہے' ہمارے قوانین میں کتنی بڑی

---

[1] تم سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح ہماری تنبیہات کو جھوٹا سمجھا تھا۔ سو تم تاریخ کے صفحات سے پوچھو کہ ان کی اس تکذیب کا نتیجہ کس طرح تباہی اور بربادی کی شکل میں سامنے آیا۔ (مفہوم القرآن۔ پرویز)

قوت ہے تو اَوَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ فَوْقَھُمْ صٰٓفّٰتٍ وَّ یَقْبِضْنَ (67:18) ان پرندوں کو ذرا دیکھو تو سہی' پرندوں میں ایک تو خیر چھوٹی چھوٹی سی چڑیا ہی کہہ لیجیے اگرچہ وزن ان کا بھی ہوا سے زیادہ ہوتا ہے۔ اس چڑیا کے وزن کی کوئی چیز یوں اوپر کو اچھالیے تو وہ اسی وقت ہی زمین کے اوپر آ جائے گی' وہ وہاں ٹھہر ہی نہیں سکتی اور اگر گدھیں اور یہ چیلیں جو ہیں ان کا تو وزن آپ دیکھیے کتنا ہوتا ہے' ہر وہ چیز جو اپنے مساوی الحجم ہوا سے زیادہ بھاری ہوگی وہ نیچے گرے گی۔ کہا کہ یہ اتنے اتنے بڑے پرندے دیکھ رہے ہو کہ اس ہوا کے اندر' فضا کے اندر' کس طرح تیرتے ہوئے چلے جاتے ہیں' پروں کو پھیلاتے ہیں' پروں کو سمٹاتے ہیں۔ یہ سمٹانے کی عجیب بات ہے۔ میں نے عرض کیا ہے کہ ان عربوں کی زبان بھی عجیب زبان ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب وہ ایک رفتار سے یوں چلتے ہیں کہ جب انہوں نے تیز اڑنا ہوتا ہے تو وہ پھڑ پھڑانا جسے کہتے ہیں وہ پروں کو سکیڑتے ہیں' پھیلاتے ہیں' سکیڑتے ہیں' پھیلاتے ہیں' اس سے تیزی آتی ہے۔ ہر وہ چیز جس میں تحرک پیدا کرنا ہوتا ہے اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے یوں کیجیے پھر یوں چھوڑیئے تو وہ چیز اور تیزی سے آگے چلتی ہے۔ یہ جو تکان میں Muscles (عضلات) میں' گردشِ خون ذرا کم ہو جاتا ہے'' تے اوہ مٹھیاں بھرا ندے ہوندے نا ایوں کر کے۔''[1] وہ یہی ہوتا ہے۔ کوئی چیز جو دبا کے چھوڑی جائے اس کی رفتار میں تیزی آ جاتی ہے۔ عربوں کے ہاں ''قبض'' کا یہ لفظ سمیٹنا' گرفت میں لینا' یوں مٹھی میں پکڑنا' پرواز میں تیزی پیدا ہو جانا کے معنوں میں آتا تھا۔ وہ معنوں کے لحاظ سے یہاں تک پہنچے ہوئے تھے۔ عربی زبان میں اسی لفظ کے معنی ہیں'' پر پھیلائے ہوئے چلتے ہیں۔'' پھر اس کے بعد پرواز کی رفتار میں تیزی ہوتی ہے تو اس کے بعد پھر پر سمٹاتے اور پھیلاتے ہیں۔ اس پر کہا کہ مَا یُمْسِکُھُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ (67:19) اس طرح سے فضا کے اندر انہیں کون تھام سکتا تھا؟ ذرا اس پہ سوچو تو ہم نے یہ ایک قانون بھی بنایا تھا کہ پرندوں کا رزق زمین کے صرف ایک ہی مقام پہ نہیں ہے' مویشی تو تھوڑی تھوڑی دُور تک چل پھر کے بھی اپنا رزق لے سکتے ہیں' ان پرندوں کو پتہ ہی نہیں کہ کہاں کہاں جانا پڑتا ہے اور یہ جو مہاجر پرندے (Migratory Birds) ہوتے ہیں ان کو تو موسم کے بدلنے پر تین تین چار چار پانچ پانچ ہزار میل کے فاصلے پر دوسری جگہ جانا پڑتا ہے۔ پرندوں کے رزق کو اس طرح سے بنایا تو ان کی ساخت بھی ایسی رکھ دی کہ وہ اس فضا کے اندر معلق رہ سکتے ہیں' اڑ سکتے ہیں' تیزی سے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکتے ہیں۔ دیکھا تم نے خدا اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ م بَصِیْرٌ (67:19) ہے۔ یعنی یہی نہیں کہ اس نے اندھا دھند کچھ بنا دیا' تخلیق کر دی اور پھر اس کے بعد ان کو چھوڑ دیا۔ نہیں' وہ سب کچھ دیکھتا ہے کہ کس قسم کی مخلوق کے تقاضے کس قسم کے ہیں۔

---

[1] تو وہ یوں کر کے ہاتھوں سے دبواتے ہیں۔

خدا کے قانون کے مقابلے میں کون سی قوت ہے؟

خدا نے ہر شے کی نشوونما کے سارے ہی تقاضے اور ضروریات ساتھ رکھ دیئے' ان کے لیے قوانین پیدا کر دیئے کہ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ هُوَ جُنْدٌ لَّكُمْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ (67:20)۔ اگر خدا یہ کچھ کرے تو فرد تو ایک طرف رہا' کیا کوئی لشکر بھی ایسے ہو سکتے ہیں جو خدا کے مقابلے میں تمہاری مدد کریں؟ یا کیا تم کوئی ایسی فوجیں لا سکتے ہو جو اس کے مقابلے میں تمہاری مدد کر سکیں؟ اس کا سوال ہی نہیں ہے۔ اگر یہ زمین رزق پیدا کرنا بند کر دے تو دنیا میں تو فوج بھی باقی نہیں رہے گی جو کہ سب سے زیادہ طاقتور سمجھی جاتی ہے۔ کہا کہ ایک فرد نہیں' خدا کے مقابلے میں فوجیں بلاؤ' لشکر لے آؤ' یہ حقیقت سامنے آ جائے گی کہ اِنِ الْكٰفِرُوْنَ اِلَّا فِیْ غُرُوْرٍ (67:20) قوانینِ خداوندی سے انکار کرنے والے بڑے فریبِ نفس میں مبتلا ہوتے ہیں' اپنے متعلق بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ تمام اختیارات ہمارے ہی ہیں' ہم جس طرح جی چاہے کریں اور یہ نہیں ہے کہ غلط روش پہ چلیں تو اس کے نتائج تباہی ہونگے' وہ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ کیا بات ہے غرور کی! فریبِ نفس اس کو کہتے ہیں۔

غرور Self deception (فریبِ نفس) ہوتا ہے۔ اس میں انسان اپنے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہوتا ہے حالانکہ یہ سارا قوانینِ خداوندی کی رو سے ہے اور اس نے سب سے بڑی چیز یہ کہی ہے کہ ہم نے قوانین بنائے ہیں لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (10:64) ہم ان قوانین میں تبدیلی نہیں کرتے حالانکہ وہ تو قادر ہے جس نے یہ قوانین بنائے ہیں وہ تو ان سب کو بدل سکتا ہے لیکن وہ کہتا ہے کہ یہ بات غلط ہے ہم ان میں تبدیلی نہیں کریں گے۔ وہ بصیر بھی ہے' خالق ہے' اس نے پیدا کیا ہے۔ اس کی اس پر نگاہ ہے کہ کس کس مخلوق کے کون کونسے تقاضے ہیں۔ اس نے ان کے مطابق غیر متبدل قوانین بنا دیئے ہیں۔ یہ نہیں ہے کہ کسی وقت کوئی پرندہ اسی رفتار سے اسی فضا میں اڑ رہا تھا اور وہ قانون کسی وقت بدل جائے اور وہ دھڑام سے نیچے آ گرے۔ بالکل نہیں' اس کے قانون کو کوئی قوت شکست نہیں دے سکتی۔ اس لیے قرآنِ کریم نے کہا ہے کہ ان سے پوچھو کہ اَمَّنْ هٰذَا الَّذِیْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ [1] (67:21)۔ یہاں پھر وہی بات آئی کہ زندگی کا پورے کا پورا سامانِ نشوونما ہے۔ اسے زندگی کا سامان رزق کہتے ہیں اور عربوں کے ہاں کی عجیب چیز ہے۔ میں نے کہا ہے کہ ان کے ہاں تو ایک ایک چیز کے لیے کتنے ہی الفاظ ہوتے ہیں لیکن وہ مرادف نہیں ہوتے۔ ان کے Meanings میں' معنوں میں' شیڈ کا فرق ہوتا ہے۔ یہ رزق کہتے ہیں اس سامانِ نشوونما کو جو بروقت مل جائے۔ ان کی زبان کی کیا بات تھی! اس

---

[1] اگر خدا' زمین کی اس صلاحیت کو سلب کر لے جس کی رو سے اس میں سے خوراک پیدا ہوتی ہے' تو وہ کون ہے جو تمہیں رزق دے سکے؟ (مفہوم القرآن۔ پرویز)

رزق کے لیے بروقت ملنا بھی ضروری ہے۔ میں بھوک سے مرجاؤں تو میں تیرے رزق کو کیا کرونگا۔ کہا کہ اگر وہ اس رزق کو روک لے تمہارے ہاں نہ آنے دے تو کیا کرلوگے؟ کہا کہ بَلْ لَّجُّوْا فِیْ عُتُوٍّ وَّ نُفُوْرٍ (67:21) ہم کتنی سمجھ بوجھ کی باتیں کررہے ہیں' Reason (عقل وفہم) کے مطابق کررہے ہیں' Arguments (دلائل وبراہین) دے رہے ہیں' دلائل دے رہے ہیں' مشاہداتِ فطرت ان کے سامنے ہیں' اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی کیفیت یہ ہے کہ وہ اپنے سرکش اور نفرت کے جذبات کی رو میں' موج در موج' بہے چلے جارہے ہیں اور بہے ہی چلے جارہے ہیں' چنانچہ فرمایا: اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖٓ اَهْدٰٓی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ❶ (67:22) یعنی یہاں انسانوں کو دو حصوں میں تقسیم کردیا۔ ایک تو وہ جو آنکھوں سے کام لے رہا ہے' باہر روشنی موجود ہے' متعین راستہ پہلے معلوم کرلیا ہے کہ یہ سیدھا راستہ میری منزل تک جائے گا' اتنی چیزیں موجود ہیں' اتنے عناصر موجود ہیں۔ اور پھر اس کے مقابل میں دوسرا وہ ہے جس کے ہاں نہ راستہ متعین ہے' نہ منزل متعین ہے' روشنی نہیں ہے' آنکھیں بھی نہیں کھولتا' سر جھکائے ہوئے بلکہ اوندھے منہ چل رہا ہے تو کہا کہ کیا یہ دونوں مسافر یکساں ہوسکتے ہیں؟ اب یہ جو چیز تھی کہ آنکھیں کھول کر چلنے والا منزلِ مقصود تک پہنچے گا' اور اس کے بعد پھر آگے اک بات آئی اور یہ کہا کہ یہ جو آنکھیں کھول کر چلنے کی بات تھی صرف آنکھ ہی نہیں وہ تو دراصل عقل وفکر سے کام لینا ہے' حواس کے ذریعے کام لیتے ہوئے دل ودماغ سے فیصلہ کرنا ہے' لہٰذا ذرائع رزق تمام مخلوق کے لیے' تمام انسانوں کے لیے' یکساں پیدا کردیئے۔

انسانی صلاحیتیں ہوں یا نعمتیں' سب کی سب خدا کی ہی عطا کردہ ہیں

عزیزانِ من! قرآن نے کہا کہ اسی طرح یہ جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں تھیں یا ان کے ذرائع تھے' یہ بھی ہم نے ہر انسان کو دیدیئے: قُلْ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَكُمْ وَ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ❷ (67:23)۔ دیکھیے قرآن کدھر سے کدھر لے آیا ہے۔ زمین کے ذرائع رزق سے انسانوں کی دنیا کی طرف آیا اور یہ کہا کہ سوچ سمجھ کر' آنکھیں کھول کر' چلنے والا اور اندھا دھند چلنے والا' برابر نہیں ہوسکتے اور آنکھیں کھول کر چلنے والوں کے متعلق کہا کہ ہم نے انسان کو پیدا کیا تو ہر انسان کو ہم نے دیکھنے سننے کی اُن تمام صلاحیتوں سے نوازا جن کو ہم حواس خمسہ کہتے ہیں۔

---

❶ اِن سے پوچھو کہ جو شخص اوندھی ڈال کر' عقل وفکر سے کام لیے بغیر' جذبات کی رو میں بہے چلا جارہا ہو' وہ کبھی اس شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو زندگی کے توازن بدوش راستے پر سیدھا چل رہا ہو؟ (مفہوم القرآن۔ پرویز)

❷ ان سے کہو کہ خدا نے تمہیں پیدا کیا تھا تو (جانوروں کی طرح نہیں بنا دیا تھا۔ اس نے تمہیں) سننے' دیکھنے اور سمجھنے سوچنے کی استعداد دی تھی تاکہ تم اس سے کام لے کر انسانوں کی طرح زندگی بسر کرسکو۔ (ایضاً)

قرآنِ حکیم عام طور پر دو چیزیں نمایاں طور پر بیان کرتا ہے' ورنہ حواس خمسہ میں تو دیکھنا' سننا' سونگھنا' چکھنا' چھونا یہ سب شامل ہیں جس کے ذریعے سے یہ جو باہر کی کیفیت ہے یا جو باہر کی کوئی خبر ہے وہ ہمیں اندر پہنچتی ہے اور پھر وہ جو فیصلہ کرتی ہے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ المختصر یہ وہ ذرائع ہیں جن کو حواس Senses کہتے ہیں اور یہ ذرائع ہیں باہر کے احوال اور کیفیات کو اندر تک پہنچانے کے۔ اب یہ اندر کیا چیز ہے جو یہ فیصلہ کرتی ہے؟ ایک گولی کی آواز آتی ہے' کان کے ذریعے سے اندر ایک چیز فیصلہ کرتی ہے: کسی نے بندوق چلائی۔ ایک چیخ وہاں سے اٹھتی ہے تو اس سے یہ ہوتا ہے کہ یہ آواز تو کسی کی پہچانی ہوئی ہے۔ ایک قدم اور آگے بڑھے۔ اب اس کے بعد پھر یہ چیز کہ مجھے اٹھ کے جانا چاہیے' یہ پھر ایک اور چیز ہے۔ اندر ایک چیز فیصلہ کرتی ہے: جانا چاہیے۔ یہ بات دوسری طرف چلی جائے گی کہ یہ اندر سے فیصلہ کون کر رہا ہے۔ ابھی یہ چیز طے نہیں ہوئی۔ ہمارے ہاں تو یہ پرانے زمانے سے دل کی بات چلی آتی تھی کہ میرے دل نے یہ کہا' دل کا یہ فیصلہ ہوا۔ وہ دل تھا' اس کے لیے انہوں نے بھی اپنے ہاں مائنڈ (Mind) کا لفظ رکھا تھا لیکن ذرا آگے چل کر پھر انہوں نے کہا کہ یہ مائنڈ (Mind) بھی نہیں ہے کیونکہ مائنڈ (Mind) جب Adjective (صفت) بنایا تو وہ Mental ہو گیا۔ اب اُس سے Mental Hospital ہو گیا یعنی پاگل خانہ' تو اس کا تعلق دماغ سے ہوا۔ تو یہ دماغ ہے' دل ہے' کچھ ہے۔ قرآن اس کو قلب بھی کہتا ہے اور فواد بھی کہتا ہے۔ یہ اندر کی وہ صلاحیت ہے جو باہر کی خبروں سے کسی نتیجے پہ پہنچتی ہے۔ کہا کہ انسان کو ہم نے پیدا کیا تو ہر بچے کو پیدائش کے ساتھ ہی یہ چیزیں یعنی ذرائع رزق بھی دیدیئے۔ اب آگے ان ذرائع رزق سے حاصل کردہ رزق کے متعلق ہے کہ وہ کیسے استعمال کیا جاتا ہے؟

اصل سوال تو صلاحیتوں کا صحیح مصرف ہے

سوال یہی ہے کہ یہ جو علم حاصل کرنے کی تمہاری صلاحیتیں ہیں' انہیں تم کس طرح استعمال کرتے ہو' کس مصرف میں لاتے ہو' کس مقصد کے لیے استعمال کرتے ہو؟ اس کے لیے کہا کہ قَلِيْلاً مَّا تَشْكُرُوْنَ (67:23) بہت تھوڑے انسان ہیں جو ان کا صحیح استعمال کرتے ہیں' نہ رزق کی صحیح تقسیم ہوتی ہے' نہ علم یا ذرائع علم کا صحیح مصرف ہوتا ہے۔ یہ کتنا بڑا المیہ ہے!

کرّہ ارض پر قدر مشترک صرف انسانیت ہے

قرآن نے کہا کہ قُلْ هُوَ الَّذِىْ ذَرَاَكُمْ فِى الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (67:24) ان سے کہو کہ خدا نے تمہیں زمین میں پیدا کیا۔ تم ساری زمین پہ ہر طرف پھیل گئے ہو۔ تمہاری آبادیاں اتنی وسیع ہو گئیں۔ ٹھیک ہے اب تم پھیلے ہوئے ہو۔ بظاہر ایسا ہے کہ مثلاً ہمارے پاکستان کے کسی گاؤں کا ایک فرد افریقہ کے کسی گاؤں کا ایک حبشی' دونوں میں کسی قسم کی کوئی نسبت یا تعلق نہیں' بظاہر کسی شے

کا کوئی واسطہ نہیں۔ کہا کہ اس کے باوجود انسان اور انسان یا مختلف افراد میں ایک قدرِ مشترک ہے اور یہ جو بُعد ہے' یہ جو ایک دوسرے سے اتنے دُور پھیلے ہوئے ہو کہ ایک قطبِ شمالی میں ہے دوسرا قطبِ جنوبی میں ہے' اس کے باوجود انسان ہونے کی جہت سے دونوں میں ایک قدرِ مشترک ہے۔ فطرت کے یہ قوانین دونوں پہ یکساں طور پر لاگو ہوتے ہیں: زندگی کا ہوا پر دارومدار ہے اُس شخص کے لیے بھی اور اِس شخص کے لیے بھی' زندگی کا پانی پر دارومدار ہے اِس کے لیے بھی اور اُس کے لیے بھی۔ آپ دیکھتے ہیں دونوں کے اندر جیسے ایک لاسلکی ہوتی ہے' دونوں کی وائرلیس (Wireless) ہوتی ہے۔ اُسے پیاس لگتی ہے' وہ بھی پانی کی طرف جاتا ہے' اِسے پیاس لگتی ہے' یہ بھی پانی کی طرف جاتا ہے۔ کہا کہ انسان کے اندر یہ قدرِ مشترک کیا چیز ہے؟ اسی طرح سے یہ جو Physical Laws یا طبعی زندگی سے متعلق قوانین ہیں' انسان کی انسانی زندگی کے متعلق بھی قوانین ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جیسے مثلاً ظالم کی کھیتی پنپ نہیں سکتی' جیسے پانی کے بغیر زندہ نہیں رہا جا سکتا۔ یہ قانون ہے۔ اسی طرح ''ظالم کی کھیتی پنپ نہیں سکتی'' بھی قانون ہے' اور دنیا کے تمام انسانوں کے اوپر اس قانون کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ مشرق کے ظالم کو پکڑا جائے گا اور مغرب کے ظالم کو نہیں پکڑا جائے گا' فرعون کو پکڑا جائے گا اور اِس دور کے فراعنہ کو نہیں پکڑا جائے گا۔ یہ قانون ہے اور اس قانون کا ہر انسان پر یکساں اطلاق ہوتا ہے۔ اس میں دیکھیں هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَکُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ [1] (67:24)۔ وہاں یعنی (67:15) میں ''نشر'' کا لفظ آیا تھا۔ یہاں یعنی (67:24) میں ''حشر'' کا لفظ ہے۔ ہمارے ہاں تو حشر اور نشر دونوں' اکٹھے ہی' قیامت کے اوپر ہیں۔ میں پھر اس کو دہرادوں اور دہراتا جا رہا ہوں کہ مرنے کے بعد کی زندگی پر ہمارا ایمان ہے لیکن یہ سارا کچھ مرنے کے بعد کی زندگی سے ہی متعلق نہیں ہے۔ ابھی اگلی آیت بتادے گی کہ یہ یہاں کی زندگی کے متعلق بات ہو رہی ہے۔

انسانیت ایک' لہٰذا قانون بھی ایک

عزیزانِ من! قرآن نے کہا تھا کہ ہم نے انہیں اس دنیا میں ہر طرف پھیلا دیا: وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ [2] (67:24)۔ اب بجائے اس کے کہ یہ معنی کرو کہ تم اس کی طرف سے اکٹھے کیے جاؤ گے' اس کا ایک قانون ہے جس کا انسانوں کے اوپر اطلاق ہوتا ہے۔

---

[1] اس خدا نے تمہیں زمین میں ہر طرف پھیلا دیا (اور سامانِ معیشت فراوانی سے عطا کر دیا لیکن اس کے پھیلاؤ سے یہ مطلب نہیں کہ تم اس کے قانون کے دائرے سے باہر نکل گئے ہو۔ بالکل نہیں۔) تم ہر طرف سے ہنکا کر اس کے قانونِ مکافات کی طرف لائے جا رہے ہو۔ (تمہارا ہر قدم اسی کی طرف اٹھ رہا ہے۔ 23:79)۔ (مفہوم القرآن۔ پرویز)

[2] اور تم ہر طرف سے ہنکا کر خدا ہی کے قانونِ مکافات کی طرف لائے جا رہے ہو۔ (ایضاً)

اس قانون میں تمام کے تمام انسان یکساں ہیں' سب اپنا قدم اس کی طرف ہی اٹھا رہے ہیں' اس قانون کے احاطے سے کوئی باہر نہیں جا سکتا' یہ تمام اسی کے قانون کی طرف ہی جا رہے ہیں' اس وقت تمام انسانوں کا تُحْشَرُوْنَ ہو رہا ہے۔ جس طرح طبعی قوانین کے احاطے سے کوئی باہر نہیں جا سکتا' سب اس کی طرف جاتے ہیں مثلاً پیاس لگتی ہے' سب پانی کی طرف جاتے ہیں۔ اسی طرح سے تمہیں محسوس تو نہیں ہوتا لیکن تم جس قسم کی بھی روش یا عمل اختیار کرو گے تو تمہارا ہر قدم اس روش یا عمل کے نتیجے کی طرف اٹھ رہا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ کبھی جا کر اٹھے گا' بلکہ اٹھ رہا ہے۔ یہ دلیل اس کی ہے۔

عزیزانِ من! میں نے عرض کیا ہے کہ یہ 'خدا نکردہ' کچھ میری اپنی ذاتی رائے کی چیزیں نہیں ہیں۔ قرآن میں اس طرح ذاتی رائے سے کچھ کہنا تو شرک ہے' یہ خدا بننا ہے۔ قرآن خود منہ سے بولتا ہے کہ اس کے یہ معنی ہیں۔ کیسے ہوا کہ یہ کچھ یہیں اِسی دنیا میں ہوگا' اگلی آیت میں ہے وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی ھٰذَا الْوَعْدُ (67:25) یہ پوچھتے ہیں کہ یہ کچھ کب ہوگا؟ یہ کہتے ہیں کہ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (67:25) اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ ظالم کی کھیتی پنپ نہیں سکتی تو بتاؤ ظالم تو پنپ رہا ہے' تم پھر بھی کہے جا رہے ہو کہ نہیں' یہ صحیح بات ہے۔ کہا کہ بتاؤ تو سہی کہ یہ کب ہوگا۔ ہمارے ہاں روز یہ سوال ہوتے ہیں کہ یہ کب ہوگا۔ قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ (67:26) کہتا ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی کے عمل یا کسی قوم کی روشِ زندگی کے نتائج محسوس طور پر کب سامنے آئیں گے' یہ بات خدا کے قانون سے ہی متعلق ہے اور وہی جان سکتا ہے' میں نہیں کہہ سکتا' میں کب کی بات نہیں کہہ سکتا کیونکہ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ (67:26) میرا کام تو یہ ہے کہ تمہیں یہ وارن کرتا جاؤں کہ غلط قدم اٹھا رہے ہو' تباہ ہو جاؤ گے' جس راستے پر چل رہے ہو' یہ تمہارے گاؤں کی طرف نہیں جا رہا۔ میرا کام یہ بتانا ہے۔

عملی نتائج کے سلسلہ میں ''کب'' کا جواب صرف خدا کو معلوم ہے

یہ کب ہوتا ہے؟ اس کے لیے یہی چیز ہے۔ کئی قومیں ہیں کہ جن کی غلط روش کے نتائج سے تباہیاں آنے میں صدیاں لگ جاتی ہیں' کئی ایسے جرائم ہوتے ہیں جن کے نتائج فوری سامنے آ جاتے ہیں' کئی بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ مثلاً Heart (دل) فیل ہوتا ہے تو ایک سیکنڈ کے اندر موت واقع ہو جاتی ہے' کئی بیماریاں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ سالوں پر محیط ہوتی ہے تو اس کے لیے ان بیماریوں پر کنٹرول کیے جاؤ' اس کے لیے انسان سالہا سال تک لگا رہتا ہے۔ اب اگر کوئی یہ پوچھے کہ صاحب! موت کب ہو جائے گی' اس کا تو کوئی نہیں بتا سکتا۔ کہا کہ اتنی سی بات میں تمہیں بتا دیتا ہوں بلکہ اس کے متعلق تمہیں وارن کر رہا ہوں کہ فَلَمَّا رَاَوْہُ زُلْفَۃً سِیْٓئَتْ وُجُوْہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَقِیْلَ ھٰذَا الَّذِیْ کُنْتُمْ بِہٖ تَدَّعُوْنَ (67:26) جب اُس تباہی و بربادی کا نتیجہ سامنے آتا ہے' جسے عذاب کہا گیا ہے' تو جو لوگ اس کے متعلق کہتے تھے کہ یہ یونہی باتیں ہی باتیں ہیں' عذاب کہاں ہے' ظالم تو پنپتا جاتا ہے' اس کو کون پکڑنے والا ہے' جب اس

طرح سے ان کی گرفت ہوتی ہے تو وہ منہ کے بل اوندھے پڑے ہوتے ہیں۔ اس وقت ان سے یہ کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ جسے تم آوازیں دے دے کر پکارا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ آ ؤ! کون ہے ایسا کرنے والا؟ بتاؤ ہمیں؟ اب دیکھا کہ کیسی گرفت ہے! کیا انداز ہے قرآن کا! جسے تم آوازیں دے دے کر بلایا کرتے تھے' وہ یہ تھا۔ دوسرے مقامات پر ہے کہ وہ اس تباہی کے لیے جلدی مچاتے تھے کہ جلدی لاؤ' ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ کہا کہ اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ جسے تم آوازیں دے دے کر بلایا کرتے تھے۔ یہ ہے وہ تباہی۔ بات یہ تھی کہ جب ان سے یہ کچھ کہا جاتا تھا تو وہ ان سے کہتے تھے کہ آپ اپنے متعلق' اپنی قوم کے متعلق' اپنے متعبین کے متعلق' تو بتایئے کہ ان کا کیا حال ہوگا؟ کیا انداز ہے قرآن کا!

بات ہماری نہیں' تمہاری ہو رہی ہے

قرآن کہتا ہے کہ قُلْ اَرَئَیْتُمْ اِنْ اَھْلَکَنِیَ اللّٰہُ وَ مَنْ مَّعِیَ اَوْ رَحِمَنَا (67:28) کہو کہ اسے تو تم چھوڑو کہ ہمارا کیا حال ہوگا' ہم گرفت میں آئیں گے یا ہم پہ خدا کی رحمت ہو جائے گی' ہماری بات چھوڑو۔ یہاں آپ جس سے بھی کوئی بات کہیں' کوئی نصیحت کی بات یا یہ کہیے کہ تمہاری یہ غلطیاں ایسے نتائج پیدا کریں گی' وہ یہ نہیں کہتا کہ میں دیکھ لوں گا کہ واقعی یہ غلط ہے جو میں کر رہا ہوں' اس کا نتیجہ واقعی غلط نکلے گا وہ فوراً پلٹ کے آتا ہے' اس کا ردِعمل یہ ہوتا ہے کہ ''توں ساڈی گل چھڈ' اپنی سنا۔'' [1] یہ ردِعمل ہوتا ہے۔

یہاں کہا کہ اسے چھوڑو کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا' سوچو یہ کہ تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔ ہم تو تمہاری بات کر رہے ہیں کہ جو تم سے کہا جا رہا ہے' بتاؤ ''وہ صحیح ہے یا نہیں۔'' اس بات کو سوچو جو ہم کہہ رہے ہیں۔ فَمَنْ یُّجِیْرُ الْکٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ (67:28) سوچو یہ کہ جو' ان قوانین کی صداقت سے انکار کرتے ہیں' جب ان کی غلط روش کے نتائج سامنے آئیں گے تو وہ کون ہے جو تمہیں ان سے بچا لے گا۔

قرآن بحث میں نہیں الجھتا

ہم سے یہ کہہ کے مطمئن نہ ہو جاؤ کہ تم اپنی بتاؤ کہ تمہارے ساتھ کیا ہوگا۔ وہ ہم سمجھ لیں گے کہ ہمارے ساتھ کیا ہوگا۔ کتنا عجیب انداز ہے قرآن کا! وہ بحث میں نہیں الجھتا' مناظرے نہیں کرتا کہ اس کے بعد یوں ہو جائے۔ وہ کہتا ہے کہ ہماری تو چھوڑ دیجیے' تم سے جو کہا جا رہا ہے اس پر غور کرو کہ وہ صحیح ہے یا نہیں۔ اور اگر وہ صحیح ہے تو تمہارا انجام کیا ہوگا؟ تم اپنے متعلق سوچو' ہماری بات چھوڑ دو۔

خدا کو ماننا دراصل اس کے قانون کو ماننا ہے

جہاں تک ہمارا تعلق ہے تو سنو! قُلْ ھُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِہٖ (67:29) ہم تو اس خدائے رحمٰن پر ایمان لاتے ہیں۔ اس پر ایمان لانے

---

[1] تم ہماری بات چھوڑو اپنی بات کرو۔

کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے یہ مان لیا ہے کہ اس کے قوانین' اس کی راہنمائی' اس کی ہدایات' برحق ہیں' صداقت پر مبنی ہیں۔ وہ جیسا کہتا ہے ویسا ہو کے رہے گا۔ ہمیں ان چیزوں پر یقین ہے۔ ایمان کے یہ معنی ہوتے ہیں' ورنہ یہ نہیں ہے کہ میں خدا کو مانتا ہوں' دوسرا نہیں مانتا' فرق کیا پڑتا ہے۔ خدا نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے مجھے اس کی حقانیت اور صداقت پر یقین ہے کہ وہ ایسا ہو گا وَ عَلَیۡہِ تَوَکَّلۡنَا (67:29) اور ہمارا اعتماد اور بھروسہ بھی اسی کے بتائے ہوئے قوانین پر ہے: غلط روش سے تباہی آتی ہے۔ اور اس کے بعد اس سے بچنے کا جو طریقہ اس نے بتایا ہے' ہمیں اس پہ بھی اعتماد ہے کہ ویسا کریں گے تو بچ جائیں گے۔ یہ ہے ہماری بات جو ہم سے پوچھتے ہو کہ تم بتاؤ تمہارا کیا ہو گا۔ کہنے لگے کہ ہم تو یہ کرنے والے ہیں۔ جن کی یہ کیفیت ہو ان کو کس قسم کا ڈر ہو سکتا ہے: صداقت پر ایمان اور اس کی نصرت پر اعتماد' اس لیے ہم تو امن میں رہیں گے۔

کون کس حال میں ہے؟ جلد معلوم ہو جائے گا

عزیزانِ من! باقی رہی یہ بات' جو میں نے عرض کیا تھا کہ اسی دنیا کے اندر بھی یہ نتائج آتے ہیں۔ قرآن ان کے بارے میں بھی کہتا ہے کہ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ مَنۡ ہُوَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ (67:29) تم یہ بات جلدی جان لو گے' تمہارے علم میں آ جائے گی' جلدی آ جائے گی۔ فَسَتَعۡلَمُوۡنَ (67:29) یہ وہ ہے جسے انگریزی میں By and by کہتے ہیں۔ یہ بھی چیز ہو جاتی ہے کہ اگر اس بات پہ بتدریج غور کرو گے تو سمجھ میں آ جائے گی کہ غلط قدم اٹھ رہا تھا اور اس سے غلط نتیجے پیدا ہو رہے تھے لیکن بہرحال فَسَتَعۡلَمُوۡنَ (67:29) یہیں نظر آ جائے گا کہ کون گمراہی میں تھا' کون صحیح حالت میں تھا۔ یہیں سامنے آئے گا تو اس کا کچھ فائدہ بھی ہو گا کہ پھر انسان اصلاح کر سکتا ہے' اس سے بچ بھی سکتا ہے لیکن اگر ایسا وقت ہو کہ اس میں پھر اس کی گنجائش ہی نہ ہو کہ اصلاح بھی کی جا سکتی ہے تو پھر اس کے بعد اس کی سمجھ میں آیا بھی تو کیا آیا۔ یہ ہے فَسَتَعۡلَمُوۡنَ! یہیں معلوم ہو جائے گا۔

عزیزانِ من! بات اس سے چلی تھی کہ ہم نے جو رزق کے سرچشمے تمام انسانوں کی نشوونما کے لیے عطا کیے تھے' انہیں ذاتی ملکیت سمجھ کر نہ بیٹھ جاؤ۔ اس سلسلہ میں' آخر میں' کہا تھا کہ انہیں ایک بات سمجھاؤ کہ قُلۡ اَرَءَیۡتُمۡ اِنۡ اَصۡبَحَ مَآؤُکُمۡ غَوۡرًا فَمَنۡ یَّاۡتِیۡکُمۡ بِمَآءٍ مَّعِیۡنٍ [1] (67:30)۔ پہلے زمین سے رزق کی بات کہی تھی۔ کہا کہ نیچے سے آتے ہوئے پانی کو دیکھو۔ قرآن نے کہا ہے جَعَلۡنَا مِنَ

---

[1] ان سے پوچھو کہ اس وقت خدا کے قانونِ کائنات کے مطابق' پانی زمین سے ابل کر' چشموں کے ذریعے' اوپر کو آتا ہے۔ اگر اس کا قانون یہ ہو جائے کہ پانی اوپر کی طرف سے آنے کے بجائے زمین میں نیچے ہی نیچے چلا جائے تو بتاؤ کہ یہ آبِ رواں (جس پر تمہاری زندگی کا دارومدار ہے) تمہیں کون دے سکے گا؟ (56:63-64)۔ (مفہوم القرآن۔ پرویز)

الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (21:30) زندگی کا مدار پانی پر ہے' ہر شے کو پانی سے زندہ کیا ہے اور اب بھی یہ جو اوپر کے کرّوں کے متعلق Scientific (سائنسی) تحقیق ہو رہی ہے کہ وہاں آبادیاں ہیں یا نہیں ہیں تو اس کے لیے پہلی چیز یہ ہے کہ' وہاں کی جو مٹی ہے' اسے دیکھیے کہ اس میں نم ہے کہ نہیں' اگر نم ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ پانی ہے اور اگر پانی ہے تو پھر اس چیز کا امکان ہے کہ وہاں زندگی ہوگی۔ تیرہ سو سال پہلے قرآن کا بتانے والا کہہ رہا ہے کہ جہاں پانی ہوگا وہاں زندگی ہوگی' صحراؤں میں بھی جہاں دُور دُور تک پانی نہیں ہوتا' کہیں کوا اڑتا ہوا نظر آ جائے تو وہ پہچانتے ہیں کہ ہاں یہاں کہیں پانی ہے کیونکہ اگر اس کو پانی نہ ملے تو وہاں کوئی جینے والی شے' کوئی Living Thing (جاندار شے) ہو ہی نہیں سکتی۔

زندگی کا مدار ہی پانی پر ہے

یہاں کہا ہے کہ پانی پہ تمہاری زندگی کا مدار ہے اور پھر وہ اولیں مخاطب تو وہ عرب تھے جن کے صحراؤں میں دُور دُور تک کنواں نہیں نکلتا تھا' ان کا تو مدار چشموں کے اوپر تھا۔ کہا کہ ہمارے چشمے کی کیفیت دیکھو کہ پانی کتنا نیچے ہوتا ہے' تمہیں پتہ نہیں ہے' لیکن تمہاری زندگی کا مدار اس پہ ہے تو ہم نے اس میں یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ چشمہ اوپر کو ابلتا ہوا باہر آ جاتا ہے' اس سے پانی باہر آ جاتا ہے۔ اگر ہمارا قانون یہ نہ ہو اور ہم یہ کریں کہ وہ اوپر آنے کے بجائے نیچے ہی دھنستا چلا جائے' پانی تو رہے گا' مگر پھر اس کے بعد کیا کر لو گے' وہ چشمے یا کنویں کا پانی کیا ہے؟ یہی کہ نیچے سے اوپر آتا ہے۔ گرمیوں میں ہمارے ہاں ایسے علاقے ہیں جہاں پانی بہت گہرائی میں جا کے ملتا ہے۔ گرمی میں ان کا پانی اتنا نیچے چلا جاتا ہے کہ ہماری دسترس سے باہر ہو جاتا ہے اور چشمہ تو خشک ہو جاتا ہے۔ چشمہ خشک ہو جائے تو کوئی قوت ایسی نہیں ہے جو اسی میں پانی جاری کر دے' اور پھر عربوں کے ہاں صحراؤں کے اندر تو وہ غنیمت تھا' جہاں کہیں پانی نکل آتا تھا' ان کے ہاں کی زندگی وہی تھی' جنت اسی کو کہتے تھے' اس لیے قرآن نے جہاں بھی جنت کا ذکر کیا ہے بہتا ہوا پانی اس کے ساتھ کہا ہے۔ ان کے ہاں یہ بڑی اہم چیز تھی' ہم اس کی قدر نہیں جان سکتے۔ ''اسی تے ٹوٹی مروڑی' تے پانی آ گیا۔''[1] کہا کہ بتاؤ کہ اس رزق کے حصول میں زندگی کو برقرار رکھنے میں قرآنِ کریم کی یہ بنیادی چیزیں کیا ہیں جن کے اوپر ان کا دارومدار ہے؟ اِن میں خدا کی پیدا کردہ کیا چیز ہے اور انسان اس میں جو کچھ کرتا ہے' اس کی کیا کیفیت ہے؟

جنتی معاشرہ کی خصوصیات: خدا کی پیدا کردہ نعمتیں' انسان کی محنت اور قرآنی ضابطہ حیات

سورۃ الواقعہ کی چند آیات ہیں' ان میں آیت 63 سے بات شروع ہوتی ہے اور وہ 74 تک جاتی ہے۔ عجیب انداز میں تقابل کیا

---

[1] ہم نے نل کھولا تو پانی آ گیا۔

گیا ہے۔ خدا کی پیدا کردہ چیز اور اس میں انسان کی محنت' جب یہ دونوں ملیں گی' تو پھر رزق بنے گا۔ ذرائع اس کے دیئے ہوئے ہیں' محنت انسان کی ہے۔ کہا ہے کہ اَفَرَئَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ (56:63) کبھی تم نے غور کیا ہے جو کچھ تم بوتے ہو؟ تحرثون ہر اُس بونے یا Sowing کو کہتے ہیں جو تم بوتے ہو۔ تم کیا کرتے ہو؟ اچھا بھلا دانہ ہوتا ہے جسے تم مٹی میں ملا آتے ہو۔ یہ کرتے ہو۔ اور اس کے بعد یہ ہے کہ ءَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ ❶ (56:64)۔

عزیزانِ من! یہ عربی زبان ہے۔ وہ حرث (56:63) تھا' یہ زرع (56:64) ہے۔ یہ وہی ہے جسے زراعت کہتے ہیں۔ کہا ہے کہ اس دانے سے جو کونپل نکلتی ہے وہ تم کھینچ کے نکالتے ہو یا ہمارا قانون ہے جس کی رو سے یہ نکلتی ہے؟ وہ کیسی مثالیں دیتا ہے! بدیہی چیزیں ہیں جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہو' اس میں کتنا حصہ تمہارا ہوتا ہے؟ تم تو بوتے ہو۔ یہ ٹھیک ہے کہ تم نے زمین تیار کی' ہل چلایا' اسمیں کھاد ڈالی' اس مٹی کو نرم کیا' پھر دانہ بو دیا۔ یہ ٹھیک ہے کہ یہاں تک تمہاری محنت ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ اس دانے کو کونپل میں تبدیل کرنا' پلانٹ (Plant) میں یا پودے میں تبدیل کرنا' کس کا کام ہے؟ کیا یہ تم کرتے ہو یا ہم کرتے ہیں؟ یاد رکھو! یہ ہمارے قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ پھر کہا کہ لَوْ نَشَآءُ لَجَعَلْنٰهُ حُطَامًا فَظَلْتُمْ تَفَكَّهُوْنَ o اِنَّا لَمُغْرَمُوْنَ o بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ (56:65-66) اگر ہمارا یہ قانون نہ ہو تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دانے سے کچھ بھی نہ اُگے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اُگ کر اگر وہ پودا بھی بنتا ہے تو جل بھن کے تباہ ہو جائے۔ اس صورت میں ایک ایک دانے سے سات سات سو دانے تو ایک طرف رہے' تم کہو کہ ہم نے جو بیج ڈالا تھا ہمیں تو اس کی بھی چٹی پڑ گئی۔ بیج بھی گیا۔ کہا کہ تم یہ کہو اگر وہ ہمارا قانون تمہاری محنت کا ساتھ نہ دے' تو تنہا تمہاری محنت کیا کر لے گی؟ پھر کہا کہ اَفَرَئَیْتُمُ الْمَآءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ (56:68) یہ پانی تم پیتے ہو' تمہاری زندگی کا دارومدار بھی اس پر ہے۔ ءَ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ (56:69) کیا اسے بادلوں سے تم برساتے ہو یا ہمارا قانونِ ربوبیت ایسا کرتا ہے؟ پانی کی بنیاد تو بارش کے اوپر ہے۔ بارش کا یہ کشید کیا ہوا پانی پینے کے قابل ہے۔ کہا کہ یہ پانی کا سارا نظام ٹھیک ہے۔ چشموں سے تم یہ پانی لے بھی جاتے ہو' کنواں بھی کھود لیتے ہو' نالیاں بنا لیتے ہو' نہریں بھی کھود لیتے ہو۔ یہ بات سب کچھ ٹھیک ہے لیکن وہ جو اصل پانی ہے وہ کس کا پیدا کیا ہوا ہے؟ یہ تو سارا تمہارا انتظام ہے' تمہاری کوششیں اس کے انتظام کے لیے ہیں اس پانی کو تم پیدا تو نہیں کرتے' ہم پیدا کرتے ہیں اور پھر تمہاری کھیتی کے لیے بھی یہی پانی ہے۔ اس کے بغیر تمہاری کھیتی اگ نہیں سکتی۔ پانی بھی ایسا ہے کہ لَوْ نَشَآءُ جَعَلْنٰهُ اُجَاجًا فَلَوْلَا تَشْكُرُوْنَ (56:70) اگر وہ سارا پانی سمندر کے پانی کی طرح کھاری ہو' وہ نہ تم پی سکو' نہ کھیتی اگ سکے۔

---

❶ بیج سے فصل کون اگاتا ہے؟ کیا یہ تم کرتے ہو یا ہمارے قانون کی رو سے ایسا ہوتا ہے؟ (مفہوم القرآن۔ پرویز)

کہا کہ کیا ہمارے اس Water works (واٹر ورکس) کے اوپر بھی کبھی تم نے غور کیا ہے؟ سمندر جیسا کھاری پانی کہ ایک گھونٹ بھی نہیں پی سکتے' اس میں کس طرح سے ہمارے سورج کی کرنیں یہ سارے نمکیات اس سمندر میں چھوڑ دیتی ہیں' سارا کھارا پن اس میں رہ جاتا ہے اور اس میں سے کشید کیا ہوا پانی اوپر اٹھا کے لے جاتی ہے' بادلوں کے مشکیزے بھرے جاتے ہیں' پھر یہ نہیں کہ وہ بادل وہیں سمندر میں ہی اپنا منہ کھول دیں' اسے سمندر میں ہی انڈیل دیں' پھر ہماری ہوائیں آتی ہیں' ان بادلوں کو یہاں سے وہاں تک لے جاتی ہیں۔ جہاں اس کی ضرورت ہوتی ہے وہاں ان کا منہ کھول دیا جاتا ہے اور نہایت مقطر' کشید کیا ہوا پانی' وہاں ملتا ہے۔ زائد ہوتا ہے تو پہاڑوں کی چوٹیوں پہ برف کی طرح ہم اسے Store (اسٹور) کے اندر محفوظ کر دیتے ہیں تا کہ گرمیوں میں تمہارے کام آئے۔ برف پگھلتی ہے تو سارا پانی یہاں سے وہاں تک چلتا ہے۔ دریائے راوی میں بھی آتا ہے۔ کہا کہ بتاؤ یہ نظم و نسق کس کا ہے؟

اسی طرح تم اس آگ پر غور کرو اَفَرَءَيْتُمُ النَّارَ الَّتِىْ تُوْرُوْنَ (56:71) جسے تم روشن کرتے ہو۔ پھر اس آگ سے تم کتنا کام لیتے ہو۔ کیا یہ درختوں کی لکڑی تمہاری بنائی ہوئی ہے؟ ٹھیک ہے کہ اس سے تم مختلف انداز سے آگ لیتے ہو لیکن اس میں آگ کی صلاحیت کس کی پیدا کی ہوئی ہے کہ لکڑی جلے تو اس میں سے آگ نکلے' بلکہ اس نے تو یہ کہا تھا کہ سبز ٹہنیوں کے اندر ہم نے جو آتشِ مضمر چھپائی ہوئی ہے کبھی اس پہ بھی تم نے غور کیا ہے۔ سبز ٹہنیوں کے اندر آتش مضمرا انداز عجیب ہے! پھر کہا کہ ءَاَنْتُمْ اَنْشَاْتُمْ شَجَرَتَهَآ اَمْ نَحْنُ الْمُنْشِئُوْنَ (56:72) رگِ خشک میں شعلے کو نہاں کر دینا تمہاری کاریگری ہے یا ہمارا قانون ایسا کرتا ہے؟ آگے بات ساری یہ ہے کہ نَحْنُ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً (56:73) یہ کاروبار اتنا ہوتا ہے تو پھر رزق پیدا ہوتا ہے۔ کہا کہ تمہارا اور ہمارا یہ معاملہ' یہ بزنس' یہ کاروبار' مشترکہ تھا۔ تم نے کوشش کی' ہم نے وہ سامان مہیا کیا۔ یہ کاروباری بات کا تو تقاضا ہے کہ پھر اس کو بانٹ لیا جائے: ہمارا حصہ ہمیں دے دیا جائے' تم اپنا حصہ لے لو۔

زندگی کا بہترین بزنس

تم تو کوشش کے مطابق اپنا حصہ لے سکو گے مگر وہ جو ساری بنیادی انوسٹمنٹ (Investment) ہے وہ تو ساری ہماری ہے۔ کیا بات ہے! پھر کہا کہ جَعَلْنٰهَا تَذْكِرَةً (56:73) ہم نے یہ سب کچھ بیان کیا ہے کہ تمہیں سمجھائیں کہ یہاں معاملہ کیا ہے۔ ہمارا حصہ ہمارے حوالے کرو' جبھی تم دیانتدار اور ایماندار کاروباری ہو سکو گے۔ اگر نہیں دو گے تو ہم آئندہ انوسٹ (روپیہ لگانا) نہیں کریں گے۔ خود ہی تیار کر لینا لیکن سنو! رزق کس طرح تیار کرو گے؟ آگے ایک ہی لفظ میں بات آ گئی کہ ہمارا حصہ ہمیں دو۔ انہوں نے کہا کہ مولا! آپ تو نہ ہمارے سامنے ہیں' نہ کھاتے ہیں' نہ پیتے ہیں' تو یہ آپ کا حصہ کس کو دیں؟ کہا کہ مَتَاعًا لِّلْمُقْوِيْنَ (56:74) بھوکوں کو جا کے دیدو' ہم تک پہنچ جائے گا۔ اور یہاں لفظ بھی آیا ہے: متاع۔ متاع ہوتا ہے ''اتنا سامان جو مسافر اپنے ساتھ لے جائے'

کمر پہ زائد نہ لادا ہو، جمع کرنے کے لیے نہیں بلکہ زندہ رہنے کے لیے ہو، جیسے مسافر لے جاتا ہے۔'' یہ ہمارا حصہ ان کو دے دو۔ یہ کاروبار ہے، بزنس ہے، Honesty (ایمانداری) کے اوپر مبنی ہوگا، دیانتدار بنو، ایسا نہ کرو گے تو یاد رکھو! پھر ہم اپنا ہاتھ کھینچ لیں گے۔ اور وہ ہاتھ کھینچنا تو نبی اکرم ﷺ کی وہ چمکتی ہوئی حدیث ہے کہ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس بستی میں کوئی ایک فرد بھی رات کو بھوکا سو گیا اس بستی سے خدا اپنی حفاظت کا ہاتھ کھینچ لیتا ہے۔''

عزیزانِ من! سورۃ الملک آج ختم ہوگئی۔ آئندہ درس میں ہم سورۃ القلم یعنی 68ویں سورۃ لیں گے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ط

❀.....❀❀❀.....❀

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب المراسلات

محترم احمد اسرار کا' جو اٹلی کی جیل میں سزا بھگت رہے ہیں' خط موصول ہوا ہے جس میں انہوں نے چند استفسارات کے جوابات مانگے ہیں کوشش ہے کہ اختصار سے کام لیتے ہوئے ان کو تشفی بخش جوابات دیے جائیں۔

سوالات اور جوابات ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں۔

پہلا سوال: محترم پرویز صاحب کی کتاب ''قرآنی فیصلے'' کے صفحہ نمبر 23 بعنوان ملی شعار کے تحت نماز کی ادائیگی کا فریضہ جو مذہب کے نام پر ادا کیا جا رہا ہے' اپنی دینی حیثیت کھو کر ملی شعار کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ لہٰذا پوچھنا یہ ہے کہ جب ایک چیز کی حیثیت بطور دین کے نہیں تو اس پر عمل کرنا حماقت کے زمرے میں شمار نہیں ہوگا' جبکہ ہم قرآن کے دین پر عمل کرنے کے مکلّف ہیں۔

جواب: محترم پرویز کے حوالے سے جو آپ نے سوال کیا ہے' اسی عنوان کے تحت صفحہ نمبر 23 میں وضاحت کی گئی ہے کہ مروجہ مذہبی شکل میں دینی ارکان بشمول نماز اپنی دینی معنویت سے محروم ہو چکے ہیں لیکن یہ ہمارے ملی شعار بن گئے ہیں۔ چونکہ ملی شعائر بھی ایک حد تک افراد میں احساس یگانگت کے زندہ رکھنے کا موجب ہوتے ہیں۔ اس لئے طلوع اسلام کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ (اس دوران میں جب ہم صحیح قرآنی معاشرہ کی تشکیل کے لئے جدوجہد کریں) یہ ملی شعائر اسی طرح آگے منتقل ہوتے رہیں۔ (بجز ان کے جو قرآن کے خلاف ہوں) اس ضمن میں نماز کی ادائیگی کے فریضہ میں مختلف افراد میں کچھ نہ کچھ احساس یگانگت تو باقی رہے گا۔ اگر ہم قرآنی معاشرہ کی تشکیل میں کامیاب ہو گئے تو یہی ملی شعائر دینی ارکان بن جائیں گے۔

طلوع اسلام کے پیشِ نظر قرآنی معاشرہ کی تشکیل ہے اور اسی مقصد کے پیش نظر طلوع اسلام ان شعائر کو باقی رکھنے کے حق میں ہے۔ اگر قرآنی معاشرہ قائم ہو گیا تو وہ اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق جزئیات میں خود بخود ضروری تبدیلیاں کر کے دینی حالت میں لے جائے گا اور اس طرح نماز کی ادائیگی کے سلسلے میں امت کے اختلافات کو مٹا کر وحدت لا کر قرآن کے مطابق دینی حیثیت میں لے آئے گا۔ بہرحال طلوع اسلام کی یہی کوشش ہے کہ اعمال کے صحیح اور غلط کے متعلق ہمارا معیار قرآنی ہو جائے اور پاکستان میں دین علیٰ منہاج نبوت قائم ہو جائے اور اس طرح اختلافات کو مٹا کر ہمیں پھر سے امتِ واحدہ بنا دے۔

دوسرا سوال: سورہ نمبر 35 فاطر کی آیات 32-35 میں یہاں تین قسم کے لوگوں کا ذکر ہے۔ ایک اپنی ذات پر ظلم کرنے

والے دوسرے متوسط اور تیسرے نیکوکار آخر میں سب کے لئے جنت کی خوشخبری دی گئی ہے۔ان آیات کا صحیح مفہوم کیا ہے؟

جواب: زیرِتبصرہ سورہ فاطر کی آیات 35-32 کو درج کیا جا رہا ہے۔

ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ بِإِذْنِ اللَّهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (32) جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤاً وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ (33) وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ (34) الَّذِي أَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِن فَضْلِهِ لَا يَمَسُّنَا فِيهَا نَصَبٌ وَلَا يَمَسُّنَا فِيهَا لُغُوبٌ (35)۔

پھر ہم نے اس کتاب کا وارث بنا دیا ان لوگوں کو جنہیں ہم نے (اس وراثت کے لئے) اپنے بندوں میں سے چن لیا۔اب کوئی تو ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہے‘ اور کوئی بیچ کی راس ہے‘ اور کوئی اللہ کے اذن سے نیکیوں میں سبقت کرنے والا ہے۔یہی بہت بڑا فضل ہے۔ ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جن میں یہ لوگ داخل ہوں گے۔ وہاں انہیں سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ کیا جائے گا‘ وہاں ان کا لباس ریشم ہوگا‘ اور وہ کہیں گے کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم سے غم دور کر دیا‘ یقیناً ہمارا رب معاف کرنے والا اور قدر فرمانے والا ہے۔

مستحقینِ جنت کے لئے محترم مودودی نے تفہیم القرآن میں یوں وضاحت کی ہے۔

''مفسرین میں سے ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ اس فقرے (تین گروہوں) کا تعلق قریب ترین دونوں فقروں سے ہے‘ یعنی نیکیوں پر سبقت کرنے والے ہی بڑی فضیلت رکھتے ہیں اور وہی ان جنتوں میں داخل ہوں گے۔''

محترم مودودی صاحب البتہ مفسرین کی اکثریت سے اتفاق کرتے ہوئے ان کے موقف کو واضح کرتے ہوئے دلیل کے طور پر حدیث کو بھی نقل کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''لیکن مفسرین کی اکثریت یہ کہتی ہے کہ اس کا تعلق اوپر کی پوری عبارت (تینوں گروہوں) سے ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ امت کے یہ تینوں گروہ بالآخر جنت میں داخل ہوں گے‘ خواہ محاسبہ کے بغیر یا محاسبہ کے بعد‘ خواہ ہر مواخذہ سے محفوظ رہ کر یا کوئی سزا پانے کے بعد...... پھر اسی کی تائید نبی ﷺ کی وہ حدیث کرتی ہے جسے صحابی ابوالدرؓ رہ نے روایت کیا ہے اور امام احمدؒ‘ ابن جریرؒ‘ ابن ابی حاتمؒ‘ طبرانی‘ بیہقی اور بعض دوسرے محدثین نے اسے نقل کیا۔اس میں حضور ﷺ فرماتے ہیں:

فاما الذین سبقوا فائولیک الذین یدخلون الجنة بغیر حساب' واما الذین اقتصدوا فائولیک الذین یحاسبون حساباً یسیرا' واما الذین ظلموا انفسھم فاولیک یحسبون طول الحشر ثم ہم الذین تتلقاھم اللہ برحمتہ فھم الذین یقولون الحمدللہ الذی اذھب عناالحزن۔

جو لوگ نیکیوں میں سبقت لے گئے ہیں وہ جنت میں کسی حساب کے بغیر داخل ہوں گے اور جو بیچ کی راس رہے ہیں ان سے محاسبہ ہو گا مگر ہلکا محاسبہ۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے تو وہ محشر کے پورے طویل عرصہ میں روک رکھے جائیں گے' پھر انہی کو اللہ اپنی رحمت میں لے لے گا اور یہی لوگ ہیں جو کہیں گے کہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم سے غم دور کر دیا۔

ہمارے متقدمین اور متاخرین آئمہ کرام جنت کے متعلق حیاتِ بعدالممات کے ایک مقام کا نظریہ رکھتے ہیں اور تقریباً سبھی محترم مودودی صاحب کے بیان کردہ حدیث کی روشنی میں تینوں گروہوں کی جنت میں داخل ہونے کی بشارت سامنے لاتے ہیں۔ طلوع اسلام کا البتہ جنت کے متعلق نظریہ رہا ہے کہ قرآن کریم نے کامیاب زندگی کو باغ (جنت) سے تشبیہہ دی ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن کریم نے انسانی زندگی کے تین گوشوں یا تین مراحل کا ذکر کیا ہے۔ مرحلہ اول' انسان کی اس زندگی سے متعلق ہے جب ہنوز اس کی تمدنی زندگی کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ اس وقت سامانِ رزق کی فراوانی تھی اور انسان ''میری اور تیری'' کی تمیز سے نا آشنا تھا۔ یہ وہ دور تھا جس میں' انسانی لغت میں ''ملکیت'' کا لفظ نہیں آیا تھا۔ تمتع (استعمال یا فائدہ اٹھانے) کا تصور تھا۔ قرآن کریم نے اسے ''جنت آدم'' کے تمثیلی انداز میں بیان کیا ہے اس کے بعد تمدنی زندگی شروع ہوئی تو انسانوں کے مفادات میں باہمی تصادم واقع ہوا جس سے پہلی زندگی کا دور ختم ہو گیا۔ اس کے لئے اسے خدا کی طرف سے (بوساطت حضرات انبیائے کرامؑ) راہنمائی دی گئی تا کہ یہ اپنی تمدنی زندگی کو بھی جنت ارضی بنا لے۔ یہ جنتِ ارضی' قرآنی معاشرہ کا دوسرا نام ہے جس میں نہ صرف سامان زیست کی فراوانی ہو گی بلکہ انسانی ذات کی نشوونما بھی ہوتی چلی جائے گی۔

موت کے بعد' طبیعی زندگی کا ساز وسامان تو یہاں رہ جائے گا اور انسانی ذات آگے جائے گی جس ذات کی نشوونما ہو چکی ہو گی وہ زندگی کی بلند ارتقائی منزل میں داخل ہو جائے گی' قرآن کریم نے اسے بھی جنت کی زندگی کہہ کر پکارا ہے۔

سورہ فاطر کی آیات زیر تبصرہ میں چونکہ جنت کی طبیعی سہولتوں کا ذکر شامل ہے' لہٰذا محترم پرویز صاحب نے دوسرے گوشہ کے تناظر میں ان کا مفہوم (Parapharase) یوں درج کیا ہے۔

(اس کتاب (قرآن) میں وہ سب کچھ آ گیا ہے جو انسانوں کی راہنمائی کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے اب وحی کا سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد' کرنا صرف یہ ہوگا کہ انسانی معاشرہ کو اس تعلیم کے مطابق متشکل کیا جائے۔ اس کام کے لئے ایک جماعت (امت) کی ضرورت ہوگی) یہ امت منتخب کر لی گئی ہے (2/143' 3/109) اور اس کے سپرد اس کتاب کو کر دیا گیا ہے۔ لیکن اس امت کی یہ حالت ہوگی کہ ان میں کچھ تو' قرآن کے مطابق عمل کرنے میں آگے بڑھ جائیں گے۔ کچھ میانہ روی اختیار کریں گے اور کچھ ایسے بھی ہوں گے جو اسے چھوڑ کر' اپنے آپ پر ظلم کریں گے۔ جو آگے بڑھ جائیں گے' وہ بلند مدارج کے مستحق ہوں گے۔

وہ ایک ایسا معاشرہ قائم کریں گے جس میں ان کے لئے خوشگواریاں اور سرداریاں ہوں گی۔ ایسی سرداریاں جن کے نشان' سونے اور جواہرات کے کنگن اور حریر واطلس کے ملبوسات ہوں گے (22/23)۔ وہ زندگی کی شادابیوں اور سرفرازیوں کو دیکھ کر والہانہ طور پر پکار اٹھیں گے کہ کس قدر درخورِ حمد وستائش ہے خدا کا یہ نظام جس نے ہماری تمام پریشانیوں اور افسردگیوں کو دور کر دیا اور ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ یہ نظام تخریبی عناصر سے حفاظت کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے اور محنتوں کے بھرپور نتائج بھی عطا کرتا ہے۔

یہ اس نظام کی برکات ہیں کہ ہمیں ایسا معاشرہ نصیب ہو گیا جس میں نہ کوئی جگر پاش مشقت ہے اور نہ ہی ذہنی کاوش اور نفسیاتی افسردگی (نہ اس میں ضروریاتِ زندگی کے لئے مشقتیں اٹھانی پڑتی ہیں (20/118) اور نہ ہی باہمی معاملات میں ایسا الجھاؤ پیدا ہوتا ہے' جس سے انسان خواہ مخواہ پریشان ہو جائے)۔

محترم پرویز صاحب کی جنت کی تحقیق قرآنی اصولوں کی روشنی میں بھی آپ کے سامنے رکھ دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ جنت کے روایتی نظریہ' حدیث کی مدد سے بھی آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا ہے۔ ہماری خواہش یہی ہوتی ہے کہ فرد خود اپنی فکر اور قرآن کی روشنی سے آیات کا صحیح مفہوم اخذ کر لے کیونکہ وہ دوسروں کے نقطہ نگاہ کا نہیں بلکہ خود اپنی ذات کے علم و فہم سے نتائج اخذ کرنے کا پابند ہے۔

تیسرا سوال: قرآن کی سورہ اعراف 7/46 کی روشنی میں یہ اہل اعراف کون لوگ ہیں کہ جو جنت اور دوزخ کا فیصلہ ہونے کے بعد بھی جنت کے امیدوار ہوں گے؟

جواب: قرآن کی سورہ اعراف 7/46 یوں ہے۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَن سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ (46)۔

یہاں بھی طلوع اسلام کے موقف کو واضح کرتے ہوئے محترم

پرویز صاحب جنت کے دوسرے گوشہ کو منطبق ہوتے پا کر آیت کا مفہوم یوں درج کرتے ہیں:

''جنت اور دوزخ کی زندگی کا فرق تو اس قدر شدید ہے' لیکن کفر اور ایمان کے درمیان ایک اوٹ سی ہی ہوتی ہے۔ ذرا نگاہ میں تبدیلی ہو جائے تو انسان ادھر سے اُدھر چلا جاتا ہے۔(57/13-14)۔

جنتی معاشرہ کے ارباب نظم ونسق جو اپنے کردار اور ذمہ داریوں کے اعتبار سے بلند مقامات (اعراف) پر ہوں گے (2/143' 4/41' 56/10-11)۔ مختلف لوگوں کے انداز ورجحان سے جانچ لیں گے کہ ان کا رخ کس سمت کو ہے۔ وہ ان لوگوں سے' جو ہنوز اس معاشرہ میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے لیکن جو اس کی آرزو دل میں رکھتے ہوں گے' آگے بڑھ کر کہیں گے کہ (تمہیں انتظار کس بات کا ہے) آگے بڑھو اور اس معاشرہ میں داخل ہو جاؤ تا کہ تمہیں بھی ہر طرح کی سلامتی حاصل ہو جائے۔ اکثر مفسرین اعراف سے مراد اس حیات بعد الممات کے مقام کو لیتے ہیں جو جنت اور دوزخ کے بین بین ہے۔ مزید یہ کہ ان لوگوں کو اعراف والے سمجھا جاتا ہے' جن کی نیکیاں اور بدیاں برابر برابر ہوں گی اور ان کا معاملہ ہنوز طے نہیں ہوا ہوگا کہ انہیں کدھر جانا ہے۔''

محترم پرویز صاحب اس مفہوم کو درست نہیں سمجھتے۔ اس لئے بھی کہ قرآن کریم میں صرف اصحاب الجنۃ اور اصحاب النار کے دو گروہوں ہی کا ذکر ہے۔ کسی ایسے (تیسرے) گروہ کا ذکر نہیں جو بین بین معلق ہو۔ مزید یہ کہ ان اہل اعراف کا مقام اتنا بلند بتایا گیا ہے کہ وہ تمام اہلِ جنت اور اہلِ جہنم کو ان کی نشانیوں سے پہچانتے ہوں گے۔ لہٰذا بلندی کے اعتبار سے (جو اعراف کا صحیح مفہوم ہے یعنی بلند مقامات بحوالہ ابن قتیبہ (القرطبین۔ ج1' صفحہ 178)۔ یہ طبقہ بلند ترین انسانوں کا ہے نہ کہ بین بین کا۔

اس کی تائید ہمیں قرآن کریم میں مختلف مقامات سے بھی حاصل ہوتی ہے' جس میں ایک آیت کا حوالہ دینے سے وضاحت ہو جائے گی۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطاً لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيداً(143)۔

اور اس طرح ہم نے تمہیں ایک اعلیٰ درجہ (وسط) کا گروہ بنایا ہے تا کہ تم لوگوں کے پیشرو ہو اور رسول تمہارا پیشرو ہو۔

علامہ راغب اصفہانی نے وسط کو اعلیٰ اور اشرف چیز کہا ہے اور ابن جریر نے لکھا ہے کہ محاورہ عرب میں خیار یعنی بہترین لوگ وسط کہلاتے ہیں۔ انہی معنوں میں اعراف کے بلند مقامات کا مفہوم بھی آتا ہے۔ لہٰذا جہاں تک اس دنیا کی جنتی زندگی (قرآنی معاشرہ) کا تعلق ہے' بات واضح ہے۔ قرآن کریم نے جماعت مومنین کو' باقی نوعِ انسان کے مقابلے میں۔ بڑا بلند مقام عطا فرمایا ہے۔ آیت زیر تبصرہ میں اہلِ اعراف کی خصوصیت

بیان کی گئی ہے کہ ''وہ سب کو ان کے آثار و کوائف سے پہچان لیں گے'' لہٰذا اہل اعراف سے مراد ''امت محمدیہ کے ارباب علم و بصیرت کے حامل مومنین ہیں۔ مفسرین کی اکثریت نے اخروی زندگی کے تناظر میں اہل اعراف کی نشاندہی کی ہے۔ محترم پرویز صاحب اس ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

''اخروی زندگی کی کیفیات کو ہم اپنی موجودہ زندگی کی سطح پر سمجھ نہیں سکتے۔ انہیں مثالوں کے ذریعے سمجھایا گیا ہے۔ اس اعتبار سے (کم از کم) میں یقینی طور پر نہیں کہہ سکتا کہ اہل اعراف سے کون لوگ مراد ہیں۔'' (مطالب الفرقان جلد پنجم، ص 202)۔

محترم پرویز صاحب کے موقف کے خلاف روایتی طور پر سورہ اعراف کی آیت 7/46 کا ترجمہ یوں کیا جاتا ہے۔

اور ان کے درمیان ایک پردہ ہوگا' اعراف پہ کچھ مرد ہوں گے' جو سب کو ان کے نشانوں سے پہچانتے ہوں گے اور وہ جنت والوں کو پکاریں گے کہ تم پر سلامتی ہو۔ وہ ابھی اس میں داخل نہیں ہوئے اور وہ امید رکھتے ہوں گے۔

مولانا مودودی نے تفہیم القرآن میں وضاحت کی ہے کہ یہ اصحاب الاعراف وہ لوگ ہوں گے جن کی زندگی کا نہ تو مثبت پہلو ہی اتنا قوی ہوگا کہ جنت میں داخل ہو سکیں اور نہ منفی پہلو ہی اتنا خراب ہوگا کہ دوزخ میں جھونک دیئے جائیں۔ اس لئے وہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک سرحد پر رہیں گے۔

اس ضمن میں تفسیر عثمانی میں وضاحت ملتی ہے کہ:

''دوزخ اور جنت کی درمیانی دیوار کی بلندی پر جو مقام ہوگا اس کو ''اعراف'' کہتے ہیں۔ اصحاب اعراف کون لوگ ہیں؟ قرطبی نے اس میں بارہ قول نقل کئے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان میں راجح وہ ہی قول ہے..... جو جلیل القدر صحابہؓ اور اکثر سلف و خلف سے منقول ہے۔ یعنی وزن اعمال کے بعد جن کے حسنات بھاری ہوں گے وہ جنتی ہیں اور جس کے سَیِّئات غالب ہوئے وہ دوزخی اور جن کے حسنات و سَیِّئات بالکل مساوی ہوں گے وہ اصحاب اعراف ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انجام کار اصحاب اعراف جنت چلے جائیں گے۔''

یہاں ہم نے اہل اعراف کے متعلق طلوع اسلام کا موقف اور روایتی تصور دونوں سامنے لے آئے ہیں اور امید ہے آپ غور و فکر سے نتیجہ اخذ کریں گے۔

چوتھا سوال: اللہ تعالیٰ نے یہ بات (اپنے حکم ازلی میں) لکھ دی ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ہی غالب رہیں گے سورہ نمبر 59 آیت نمبر 21 مگر دوسری جگہ ہے کہ تم لوگ یعنی بنی اسرائیل ہمارے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا کرتے تھے۔ سورہ نمبر 2 آیت 61۔ جب پیغمبر قتل ہوتے تھے تو وہ غالب کیسے آتے تھے۔ یہ تضاد کیوں ہے؟

جواب: آپ نے سوال میں سورہ نمبر 58 کا حوالہ دینے کی

بجائے سورہ نمبر 59 کا حوالہ دیا ہے۔ صحیح حوالہ سورہ نمبر 58 آیت نمبر 21 ہے' لہٰذا اسے درج کیا جارہا ہے۔

كَتَبَ اللَّـهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي إِنَّ اللَّـهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ (21)۔

اللہ لکھ چکا کہ میں غالب ہوں گا اور میرے رسول۔ بے شک اللہ زور آور ہے زبردست۔ سبھی مفسرین اس کی تفسیر کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ اللہ لکھ چکا ہے کہ آخر کار حق ہی غالب ہو کر رہے گا اور اس کے پیغمبر ہی مظفر و منصور ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)۔

استفسار یہ کیا گیا ہے کہ سورہ نمبر 2 کی آیت 61 اس کے متضاد ہے' جہاں بنی اسرائیل کے انبیاء کرام کے ناحق قتل کا ذکر ہے۔ لہٰذا یہاں سورہ نمبر 2 کی آیت 61 کو درج کیا جارہا ہے۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّـهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّـهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا يَعْتَدُونَ (61)۔

ان پر ذلت اور مسکینی ڈالی گئی اور خدا کا غضب لے کر وہ لوٹے۔ یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے۔ یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا نتیجہ ہے۔

انبیاء کے بغیر حق کے قتل کی تفسیر ابن کثیر میں یوں وضاحت پائی جاتی ہے کہ:

''چونکہ بنی اسرائیل کا تکبر کفر و قتل انبیاء تک پہنچ گیا تھا اس لئے خدا کا غضب ان پر لازم ہو گیا دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل ایک ایک دن میں تین تین سو نبیوں کو قتل کر ڈالتے تھے پھر بازاروں میں جا کر اپنے لین دین میں لگتے تھے۔''

اس کے علاوہ راغب نے اس کے معنی بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

اس کے بنیادی معنی ذلیل و حقیر کرنے اور جھکا دینے کی بھی آتے ہیں' ابن فارس نے وضاحت کی ہے کہ اس کے بنیادی معنی ذلیل کرنے اور مار ڈالنے کے ہیں۔ اسی لئے آیت زیر تبصرہ سورہ نمبر 2 آیت 61 میں یہودیوں کے متعلق جو ارشاد ہے: وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ تو اس کے یہ معنی بھی ہوں گے کہ وہ اپنے انبیاء کی تحقیر و تذلیل کرتے تھے اور یہ بھی کہ وہ ان کے درپے قتل ہوتے تھے یا قتل کر دیتے تھے۔

طلوع اسلام کے موقف کو سامنے لاتے ہوئے محترم پرویز صاحب نے اس آیت زیر تبصرہ سورہ نمبر 2 آیت 61 کا مفہوم یوں پیش کیا ہے کہ:

''(یہودیوں) میں عسکریت اور کشور کشائی کی صلاحیتیں مفقود ہو گئیں اور محکومیت اور تساہل انگیزی کی خصلتیں پیدا ہو گئیں اور اس طرح ان پر ذلت و خواری کا عذاب

خداوندی مستولی ہوگیا۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ انہوں نے قوانین خداوندی کے مطابق زندگی بسر کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے انبیاء کی عزت و توقیر کی بجائے' انہیں ناحق ذلیل کرنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ نیز بعض کی جان تک کے لاگو ہوگئے۔ یہ سب کچھ ان کی سرکشی اور حدود فراموشی کا نتیجہ تھا''۔

یہاں اس آیت میں بھی انجام کار رسولوں کے خلاف اعمال کرنے والوں کا نتیجہ حق کے خوشگوار نتائج کی بجائے باطل کی ذلت وخواری کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ غور وفکر سے ان دونوں آیات میں تضاد نہیں پائیں گے۔

پانچواں سوال: قرآن میں ہے کہ جو آدمی کسی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے گا وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا مگر دوسری جگہ ہے کہ جو شرک کرے گا تو وہ ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ جتنے گناہ ہیں اللہ تعالیٰ جسے چاہے گا معاف فرما دے گا۔ کیا یہ دونوں باتیں متضاد نہیں؟ اس کی علاوہ قرآن ہی سے کوئی ایک مثال دیں کہ مومن اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جانے کے بعد سزا کے بعد پھر جنت میں چلے جائیں گے۔

جواب: سوال کرنے والے کے ذہن میں ہے کہ شرک کے علاوہ اگر دیگر گناہ قابل عفو ہیں تو قتل عمد کی سزا (ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل کرنے) معافی کی گنجائش سے محروم کیوں رہ جاتی ہے۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ آغاز ہی میں قرآن کی سورہ نمبر 4 النساء کی آیت 48 کو سامنے لایا جائے' جس کے حوالے سے سوال پوچھا گیا ہے۔ آیت یوں ہے۔

إِنَّ اللّـهَ لاَ يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَن يَشَاء۔

تفسیر عثمانی میں اس کا روایتی ترجمہ یوں دیا گیا ہے۔

بے شک اللہ نہیں بخشتا اس کو جو اس کا شریک کرے اور بخشتا ہے اس کے علاوہ دوسرے گناہ جس کے چاہے۔

ہمارے ہاں مغفرۃ کے معنی لئے جاتے ہیں ''خدا کا بندے کے گناہوں کو بخش دینا۔ اس کے لئے قرآن میں لفظ عفو آتا ہے جس کے معنی تاج العروس میں درج ہیں کہ اسے سزا دیئے بغیر چھوڑ دیا اور جانے دیا۔ معاف کر دیا۔

صاحب محیط کے نزدیک **عفو** اور **مغفرۃ** میں فرق یہ ہے کہ **غفران** میں سزا قطعاً نہیں ہوتی اور **عفو** سزا سے پہلے ہوسکتا ہے اور سزا کے بعد بھی۔

''بخشش'' کا تصور قرآن کریم کے پیش کردہ قانونِ مکافاتِ عمل کی خلاف ہے۔ قانون مکافات کی رو سے انسان کا ہر عمل ایک نتیجہ پیدا کرتا ہے۔ غلط عمل مضر نتائج پیدا کرتے ہیں اور صحیح عمل خوشگوار نتائج۔ غلط اعمال کے مضر نتائج کا ''بخش دینا'' بے معنی سی بات ہے۔ ''بخشش'' کا یہ تصور ملوکیت کی فضا کا پیدا کردہ ہے جس میں بادشاہ خوش ہو کر مجرموں کے گناہ بخش دیا کرتے ہیں۔

غفر۔ صاحب محیط نے کلیات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس کے معنی کسی کو ایسی چیز پہنا دینا ہے' جس سے وہ غلاظت

وغیرہ سے محفوظ رہے (بحوالہ لغات القرآن) لہٰذا اس میں چھپانے اور محفوظ رکھنے کا مفہوم شامل ہوتا ہے۔ حفاظت یوں کہ جب کوئی قوم غلط روش اختیار کرتی ہے تو اس روش کے مضر اثرات مرتب ہونے شروع ہو جاتے ہیں لیکن قبل اس کے کہ وہ اثرات اس حد تک آگے بڑھ جائیں کہ ان کی ہلاکت یقینی ہو جائے' اگر وہ قوم اس غلط روش کو چھوڑ کر قانون خداوندی کے مطابق صحیح روش اختیار کر لیتی ہے تو اس سے اس پر دُوہرے اثرات مرتب ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ ایک تو اس کی سابقہ روش کے مضر اثرات سے اس کی حفاظت ہو جاتی ہے اور دوسرے اسے زندگی کے خوشگوار نتائج ملنے شروع ہو جاتے ہیں۔ ان نتائج کے استحکام کے لئے بھی حفاظتی پہلو کا ساتھ ساتھ رہنا ضروری ہوتا ہے۔

غفر کے مندرجہ بالا تصور کے پیش نظر طلوع اسلام کے موقف کی وضاحت کے لئے محترم پرویز صاحب نے زیر تبصرہ آیت 4/48 کا مفہوم یوں درج کیا ہے کہ:

''یاد رکھو! سہو و خطا (عمداً جرم نہیں) سے کوئی لغزش ہو جانا اور بات ہے۔ اس کے نقصانات سے انسان' قانونِ خداوندی کے مطابق محفوظ رہ سکتا ہے۔ لیکن جو شخص خدا کے قوانین کے ساتھ انسانوں کے خود ساختہ قوانین کو شامل (شریک) کر لے۔ یا ان کے علی الرغم' اپنے جذبات ہی کی اطاعت شروع کر دے (45/23) یا جو صفات اور قوانین صرف خدا کے لئے مخصوص ہیں' ان میں دوسروں کو بھی شریک سمجھ لے' تو اس روش کے تباہ کن نتائج سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی۔''

ہم امید کرتے ہیں کہ عفو اور مغفرۃ کے علیحدہ علیحدہ تصورات کے سامنے آنے سے آپ کے ذہن میں اب تضاد کا تصور ختم ہو جائے گا۔

رہی آپ کی فرمائش کہ قرآن میں سے کوئی ایک مثال دیں کہ مومن اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جانے کے بعد سزا کے بعد پھر جنت میں چلے جائیں گے تو اس کے متعلق طلوع اسلام کا موقف بہت واضح ہے کہ قرآن کریم سے اس قسم کے نظریہ کی کوئی سند نہیں ملتی اور نہ ہی اس میں اس قسم کے عقیدہ کی گنجائش ہو سکتی تھی۔

ہمارے ہاں روایتی عقیدہ شفاعت کے تحت بیان کیا جاتا ہے' جس کی تصدیق میں ذیل کی حدیث جو بخاری اور مسلم میں آئی ہے' پیش کی جاتی ہے۔

شفعت الملئكة و شفع النبيون و شفع المومنون و لم يتق الدارمم الراحمين فيعبض قبفةمن النار فيخرج منها قوما لم يعملوا خيرا قط۔

یعنی اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فرشتوں نے بھی شفاعت کی' نبیوں نے بھی شفاعت کی' مومنوں نے بھی شفاعت کی اور سوائے ارحم الراحمین کے کوئی باقی نہ رہا۔ پس وہ آگ میں سے ایک مٹھی بھر لے گا اور ایسے لوگوں کو (دوزخ سے) باہر نکالے گا جنہوں نے کبھی کوئی بھلائی

نہیں کی۔

احادیث کی بخاری اور مسلم دونوں کتب صحیحین کہلاتی ہیں۔ان کی سند سے ہمارے ہاں مروجہ عقیدہ یہ ہے کہ جب قیامت میں حساب کتاب ہوگا اور مجرمین کو دوزخ کی سزا کا حکم ہو جائے گا تو خدا کے مقرب بندے بالخصوص حضرات انبیاء کرامؑ (اوران میں سے بھی خصوصیت کے ساتھ نبی اکرم ﷺ) خدا کے حضور ان مجرمین کی سفارش کریں گے۔اوران کی سفارش پراللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا اوروہ جنت چلے جائیں گے۔نظر آتا ہے کہ شفاعت کا یہ عقیدہ ہمارے دور ملوکیت کی پیداوار ہے۔ جب مستبد حکمرانوں کے مقربین ان کے پاس لوگوں کی سفارش کیا کرتے تھے اوران کی سفارش پر مجرمین کو معافی مل جایا کرتی تھی۔اس کے ساتھ ہی اس عقیدہ کو عیسائیوں کے کفارہ کے عقیدہ نے بھی تقویت دی۔ وہ جب کہتے ہوں گے کہ ہمارے رسول (حضرت عیسیٰؑ) کو دیکھو کہ جو شخص ان پر ایمان لے آتا ہے وہ اس کے گناہوں کا کفارہ دے کر اسے دوزخ سے بچا لیتے ہیں۔اس کے برعکس تمہارا رسولؐ گنہگاروں کے لئے کچھ بھی نہیں کرسکتا۔تو اس اعتراض کے پیش نظر اس قسم کی روایات وجود میں آ گئیں کہ قیامت میں جب حساب کتاب ہو چکے گا اور مجرمین دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے تو نبی اکرم ﷺ سجدے میں گر جائیں گے اور جب تک اللہ تعالیٰ آپ کی امت کے تمام افراد کو دوزخ سے نکال کر جنت میں نہیں بھیج دے گا حضور ﷺ نہ سجدے سے سر اٹھائیں گے اور نہ خود جنت میں جائیں گے۔اس سے عیسائیوں کے اعتراض کا تو جواب وضع کر لیا گیا لیکن دین کے سارے قانون مکافات کی عمارت بنیاد سے ہل گئی۔

سفارشوں سے جنت حاصل کرنے کا عقیدہ اس قوم میں پیدا ہوتا ہے جو قوتِ عمل سے محروم ہو جاتی ہے۔قرآن کریم یہودیوں کے اس قسم کے عقیدہ کے متعلق ہدایت دیتا ہے کہ:

وَقَالُواْ لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلاَّ أَيَّاماً مَّعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِندَ اللّهِ عَهْداً فَلَن يُخْلِفَ اللّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللّهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ (2/80)۔

اور (یہودی) کہتے ہیں کہ سوائے گنتی کے دنوں کے ہمیں (دوزخ کی) آگ نہیں چھوئے گی۔ کہہ کیا تم نے اللہ سے کوئی اقرار لیا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے اقرار کے خلاف نہیں کرتا' بلکہ اللہ پر وہ بات بناتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

تفسیر عثمانی میں اس کی وضاحت پائی جاتی ہے کہ یہ بات غلط ہے کہ یہودی ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہ رہیں گے کیونکہ خلود فی النار اور خلود فی الجنۃ کا جو قاعدہ کلیہ آگے بیان فرمایا ہے اس کے مطابق سب سے معاملہ ہوگا۔ یہودی اس سے نکل نہیں سکتے۔

شفاعت کے عقیدہ کی تائید میں قرآن کریم کی اس قسم کی آیات پیش کی جاتی ہیں' جن میں مثال کے طور پر سورہ یونس 10/3 آیا ہے کہ:

مَا مِن شَفِيعٍ إِلاَّ مِن بَعْدِ إِذْنِهِ۔

کوئی سفارش نہیں کرسکتا مگر اس (اللہ) کی اجازت کے

بعد۔

اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ خدا کی اجازت سے شفاعت کی جاسکتی ہے اور حضورﷺ اپنی امت کی شفاعت خدا کی اجازت ہی سے کریں گے۔

معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سے سند خانہ پُری کے لئے کی گئی ہے۔ مفسرین کے مطابق اس آیت کا مطلب اگر یہ لیا جائے کہ خدا کی اجازت سے سفارش کی جاسکے گی اور یہ سفارش قبول بھی ہوجائے گی، تو یہ درج ذیل آیت سے کھلے تضاد پر مبنی ہو گی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ (2/254)۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اس میں سے جو ہم نے تم کو دیا ہے خرچ کرو اس سے پہلے کہ وہ دِن (یوم الحساب) آجائے جس میں نہ کوئی خرید وفروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی اور نہ ہی سفارش اور کافر ہی ظالم ہیں۔

تفسیر عثمانی کے مطابق اس کا خلاصہ معنی یہ ہوا کہ عمل کا وقت ابھی ہے۔ آخرت میں نہ عمل بکتے ہیں نہ کوئی آشنائی سے دیتا ہے نہ کوئی سفارش سے چھڑا سکتا ہے جب تک پکڑنے والا (مکافات عمل) نہ چھوڑے۔

چھٹا سوال: اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ پھر سورہ الفجر 89/22 آیت سے کیا مطلب ہے کہ آپ کا رب اور فرشتے جوق در جوق میدان حشر میں آئیں گے؟

جواب: سورہ الفجر کی آیت 89/22 قرآن میں یوں ہے:

وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفّاً صَفّاً (22)۔

اس کا روایتی ترجمہ تفسیر عثمانی میں یوں درج ہے کہ:

''اور آئے (اپنی قہری تجلّی کے ساتھ) تیرا رب اور فرشتے (میدان محشر میں) آئیں گے۔''

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے محترم مودودی صاحب نے تفہیم القرآن میں یوں فرمایا ہے کہ:

''(یہاں کہا گیا ہے کہ) ''تیرا رب آئے گا'' لیکن ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہونے کا سوال نہیں ہوتا، اس لئے لامحالہ اس کو ایک تمثیلی انداز بیان ہی سمجھنا ہوگا جس سے یہ تصور دلانا مقصود ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے اقتدار اور اس کی سلطانی و قہاری کے آثار اس طرح ظاہر ہوں گے جیسے دنیا میں کسی بادشاہ کے تمام لشکروں اور اعیان سلطنت کی آمد سے وہ رعب طاری نہیں ہوتا جو بادشاہ کے بنفس نفیس خود دربار میں آجانے سے طاری ہوتا ہے۔''

محترم پرویز صاحب نے وضاحت میں یوں فرمایا ہے کہ:

''ہمارے ذہنوں میں تو یہ بات ہے کہ ہم مرنے کے بعد خدا کے پاس جائیں گے؟ مگر اس آیت کے الفاظ کی رو سے تمہارا رب اور اس کے ملائکہ صف در صف آئیں گے۔ ہم نہیں جائیں گے وہ آئیں گے۔ یہ کیا

بات ہے؟ یہ خدا کا آنا کیا معنی؟ آنا اور جانا تو وہ ہوتا ہے جو کسی مکان کے اندر مقید ہو' یہاں سے وہاں یا وہاں سے یہاں۔ خدا تو اس سے ماورا ہے۔ یہ کیا چیز ہے؟ قرآن میں جہاں یہ چیزیں آتی ہیں' اس سے مراد خدا کے قوانین (جیسا کہ یہاں ربک میں خدا کا قانون ربوبیت) ہوتے ہیں' اس کی مقرر کردہ اقدار سماوی ہوتی ہیں۔ یہاں ملائکہ وہ ہیں جنہوں نے آدم کو سجدہ کیا تھا' یعنی ساری فطرت کے قوانین (Forces of Nature) جن کو انسان مسخر کر سکتا ہے۔''

اسی وضاحت کی روشنی میں محترم پرویز صاحب نے اس آیت کا مفہوم یوں درج کیا ہے:

''اور تیرے خدا کا نظام ربوبیت' کائناتی قوتوں کو 'صف در صف' اپنے جلو میں لئے زمین پر متمکن ہو جائے گا (یعنی اس نظام میں فطرت کی قوتوں کا ماحصل' کسی خاص گروہ یا خاص قوم کی قوت اور دولت میں اضافہ کرنے کی بجائے' عالمگیر انسانیت کی نشوونما کے لئے وقف ہوگا۔)''

SOCIAL VALUE SYSTEM

By

Maj Gen (Rtd) Ihsan-ul-Haq

Whether the Quran encourages family planning and if so, in what manner, would be legitimate subject for discussion. In my opinion, the Quran does not discourage family planning. One of the most healthy useful resources for the physical and psychological growth of children is provided free by nature – mother's milk. Incidentally, breast feeding by women might help in family planning also. The Quran advises the women to fully utilize this resource.

"And mothers shall suckle their children for two whole years, for him who desires to complete the time of suckling (Although this passage is, primarily, talking about arrangements on a divorce, but the parts referring to suckling are applicable in the normal course). And their maintenance and their clothing must be borne by the father according to law. Neither, shall a mother be made to suffer harm on account of her child, nor father on account of his child. But, if both desire weaning by mutual consent and counsel, there is no blame on them. And if you wish to engage a nurse for your children, there is no blame on you so long as you pay what you promised in accordance with law …" 2/233.

If for health or other reasons, it is not possible for mothers to breast feed their children, the alternative recommended by the Quran appears to be wet nurse rather than baby milk. But if baby milk has to be resorted to, the reasons for denial of a free and healthy nature gift might as well be really strong. Otherwise, there will be lasting consequences on the psyche of children as a result of such a denial which reasonable society would rather not have to suffer in exchange for temporary pleasure.

The Quran advises sexual abstinence when women are having periods.

"And they ask you about menstruation: Say it is annoying; So keep aloof from women during menstrual discharge and go not near them until they are clean. But

when they have cleansed themselves, go into them as Allah has commanded you …" 2/222

Menstruation is a healthy and necessary institution in accordance with the laws of nature. Women go about their daily live and business in the normal manner and interact with men but only sexual intercourse is prohibited. Some societies treat rather harshly with women when they are having periods. The Quran condemns such a practice.

Another practice, very common in Arabia during Messenger's (pbuh) time and continuing in all times in one form or another, is for men to swear that they will not have sexual relationship with their wives for some reason or another. The Quran condemns such a practice.

"As regards those who swear that they will not go into their wives, (the wives can not be left in such an uncertain position for an indefinite time) the wives should wait four months. If normal relationship is restored, well and good …" 2/226.

Otherwise, a woman can legitimately ask for a divorce on this account. The man would be to blame. Another variation of this unjust practice was that the men would declare their wives to be their mothers and hence not to be slept with. The Quran roundly condemns this practice also.

"Those of you who put away their wives by calling them their mothers, they are not their mothers. None are their mother save those who gave them birth, and they utter, indeed, a hateful word and a lie. And, those who put away their wives by calling them their mothers, then go back on what they said, must free a captive (when slavery was still not completely eliminated) before they touch one another. But, he who has not the means, (to free a slave – there may not be any slaves to free) should fast for two months successively, before they touch one another. And, he who is unable to do so should feed sixty needy ones …" 58/2-4

Many societies do not allow widows to marry after their husbands' death. The Quran advises against this practice also.

"And as for those of you who die and leave wives behind, such women should keep themselves in waiting for four months and ten days; when they reach their term, there is no blame on you for what they do for themselves in a lawful manner …" 2/234

This period of waiting is extended if the widow discovers herself to be with child.

"And as for the pregnant women, their prescribed time of waiting is until they have their child..." 65/4

While in the period of waiting, the widows go about their daily business of life in the normal manner. There is no restriction of any kind. In fact, during this period of waiting, if women are inclined towards a man or the men intend to marry the widows, there is no harm in coming to an understanding provided the marriage agreement is contracted only after the period has ended.

"And there is no blame on you respecting that which you speak indirectly in the asking of such women in marriage or keep the proposal concealed within your mind. Allah knows that you will have them in your minds but give them not a promise in secret but speak with them openly and decently in a lawful manner. And confirm not the marriage until the prescribed period reaches its end…" 2/235

The widows are not to be left in the lurch after their husbands' death while they are looking for adoption of measures to reorder their lives.

"And those of you who die and leave behind wives, should make a bequest in favor of their wives of maintenance for a year without turning them out. Then, if they themselves go away, there is no blame on you for what they do of lawful deeds concerning themselves …" 2/240

Men and women are advised by the Quran to freely choose their spouses but not to take marriage contract lightly. It is a serious business and should be entered into after deep considerations. As far as possible, it should keep the couples together till "death do them part". But with all the goodwill in the world, occasions will arise when differences appear between spouses. The society is urged to keep on the lookout for such happenings and take steps in time to ensure that such differences do not result in separation or divorce.

وان خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من اهله وحكما من اهلها ان يريدا اصلاحا يوفق الله بينهما ان الله كان عليما خبيرا.

"And if you fear a breach between the two, appoint an arbiter from his people and an arbiter from her people. If they both desire agreement, Allah will effect harmony between them …" 4/35

Many such disputes are of an emotional nature. If left to themselves, both parties might persist in their anger and hurt ego. When such disputes come out in the open and are freely discussed in a neutral gathering, they tend to be resolved. The state is asked to set up an institution which keeps resolving marital disputes before they result in disaster. If the parties come to an agreement as a result of this reconciliation effort, they continue to live together in peace. If, however, there is no reconciliation, the matter goes to court for a judicious decision in accordance with law. The decision for granting or rejecting a divorce and the conditions attendant on it, lies with the courts, If the courts decide in favor of a divorce, this, in accordance with the Quranic injunctions, is the first divorce. From this date the divorced woman starts her waiting period. If the couple decides to reconcile during the waiting period, the spouse have the first right to re-establish conjugal relations. While a woman is not allowed to marry a person other than her husband during her waiting period, a man is; And, if he decides to take this option, the divorce becomes operative. After this, the couple are free to remarry, if after a while, they realize that they made a mistake and took a decision in undue haste.

الطلاق مرتان فامساك بمعروف او تسريح باحسان ولايحل لكم ان تاخذوا مما اتيتموهن شيئا الا ان يخافا الا يقيما حدود الله...

"Two times you are allowed to divorce each other (and be free to remarry after it without any conditions) and then either stick together in accordance with law or part with grace. (If you divorce for the third time, another procedure takes effect, which will be described shortly). And, it is not lawful for you to take any part of what you have given them …" 2/229

The period of waiting here becomes crucial because during this period, the spouse have the first right to re-establish conjugal relations and not even the first divorce has come into operation. It is a matter of dispute among Muslim lawmakers that if an estranged couple come to resolve their differences during the women's waiting period can they

resume nuptial relationship without having to formally remarry. It is important to resolve this issue. The period of waiting is really a period of temporary separation during which conjugal relations may be re-established. This period serves as a check upon divorce. If there is any love in the union, its pangs would assert during this period. A reconciliation will follow and a resort to divorce will not be necessary.

والمطلقات يتربصن بانفسهن ثلاثة قروء ولايحل لهن ان يكتمن ماخلق الله في ارحامهن ان كن يؤمن بالله واليوم الاخر وبعولتهن احق بردهن في ذلك ان ارادوا اصلاحا ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة والله عزيز حكيم.

"And the divorced women should keep themselves in waiting for three courses. And, it is not lawful for them to conceal what Allah has created in their wombs if they believe in Allah and the day of reckoning. And, their spouse have a better right to revert to the original condition if they wish to reconcile …" 2/228

This waiting period is extended in case of pregnant women and it is until they have their child as already discussed (65/4).

The Quranic provisions so far stated, can be serialize thus:

a. When a marital problem is suspected between a couple, the society attempts to bridge differences through a reconciliation commission.

b. If the commission fails to bring about a compromise, the matter is referred to a court.

c. If the court decides for a divorce, the woman enters her waiting period.

d. The waiting period for woman is three periods or child birth if the woman is pregnant.

e. During this waiting period, if the couple agrees to reconciliation, they are free to re-establish conjugal relations.

f. The divorce is operative when the waiting period for the woman ends or a man decides to marry another woman during this period.

g. This is the first divorce.

h. If, after the finalization of this divorce, the couple wishes to re-marry, they are at liberty to do so.

i. If they wish to part again, they go through the divorce procedure in full once again.

j. If this divorce is also finalized, this is the second divorce.

k. If after the second divorce, the couple again wants to remarry, they are free to do so.

l. If, however, they decide that after a lot of trial, even the third marriage has not worked, they have a right to dissolve it after going through the full divorce proceedings.

m. But, before they part company this time, they should know before hand that a road to re-marriage this time is not so smooth.

n. This is the third divorce.

o. And, now 2/230 applies, as follow;

فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره فان طلقها فلا جناح عليهما ان يتراجعا ان ظنا ان يقيما حدود الله....

"So if he divorces her (the third time), she shall not be lawful to him afterwards until she marries another husband. If, he divorces her (in the same way as mentioned above), there is no blame to them both if they return to each other by marriage if they think they can keep within the limits of Allah …" 2/230

p. Just as a man can divorce a woman, a woman can divorce a man. They have equal rights in this respect. Logically, if a woman asks for a divorce and the man is not to blame in the judgment of a court, she must return marriage gifts unless the man keeps it with her as matter of grace.

...فان خفتم الا يقيما حدود الله فلا جناح عليهما فيما افتدت به تلك حدود الله...

"Then, if you fear that they can not keep within the limits of Allah, there is no blame on them for what she gives up, to become free thereby…" 2/229

I hope that the discussion so far has clarified the position with regard to three divorces. A concept, generally held, that all that a man has to do is to utter the word *'Talaq'* three times and that is three divorces, is not in accordance with the Quranic instructions. In fact, it is a flagrant breach of some carefully worked out arrangements that ensure that divorce is not treated lightly. It is a very serious matter and when a solemnly entered into agreement is to be got out of, nothing should be done in a hurry. All possible steps should be taken to effect reconciliation. If a divorce does take place, there should be an option to reconsider a renewed relationship in case the first decision was misguided. The Quran has suggested that it would be in public interest that divorces should be discouraged as far as possible. That is why if an annulment is required to a marriage contract, the matter is taken to court. And if a decision does take place in favor of a divorce, it has to be witnessed by at least two reliable witnesses.

فاذا بلغن اجلهن فامسكوهن بمعروف او فارقوهن بمعروف واشهدوا ذوي عدل منكم واقيموا الشهادة لله ذلكم يوعظ به من كان يؤمن بالله واليوم الاخر ومن يتق الله يجعل له مخرجا.

"So when they have reached their prescribed time, retain them with kindness or part with them with grace in accordance with law and call to witness two just ones from among you and give upright testimony for Allah …" 65/2

As has been pointed out earlier, a divorce is complete only at the time when the woman has completed her *'Iddat'* - waiting period. While she is thus waiting, she has a right to live a decent and comfortable life provided for by her husband.

...يايها النبي اذا طلقتم النساء فطلقوهن لعدتهن واحصوا العدة واتقوا الله ربكم لاتخرجوهن من بيوتهن ولايخرجن الا ان ياتين بفاحشة مبينة...

"O Nabi, when you divorce women, divorce them for their prescribed period and calculate the period carefully. Turn them not out of their houses, nor should they themselves go forth unless they commit an open indecency …" 65/1

اسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم ولاتضاروهن لتضيقوا عليهن وان كن اولات حمل فانفقوا عليهن حتى يضعن حملهن فان ارضعن لكم فاتوهن اجورهن واتمروا بينكم بمعروف وان تعاسرتم....

"Lodge them where you live according to your means and injure them not to straiten them. And if they are pregnant, spend on them until they give birth. (This completes their waiting period). Then if they suckle the child in arrangement with you, give them their recompense and enjoin one another to do good…" 65/6

After women have been divorced, it should be ensured that they retain an honorable status in life. Their right to live a life free of any restrictions must be respected.

..واذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فامسكوهن بمعروف او سرحوهن بمعروف ولاتمسكوهن ضرارا لتعتدوا ومن يفعل ذلك فقد ظلم نفسه... فلا تعضلوهن ان ينكحن ازواجهن اذا تراضوا بينهم بالمعروف...

"And when you divorce women and they reach their prescribed time, then retain them in kindness or set them free with kindness and retain them not for injury. To injure them would be exceeding the *'Huddood-Allah'* - Limits of Allah. Remember that if you do resort to this, its consequences will recoil on you. And prevent them not from marrying the husbands of their choice if they agree among themselves in a lawful manner…" 2/231-232.

There may be occasions on which a divorce takes place before any type of sexual relationships have been cemented. Although no obligations on either side are apparent, a man is asked to be generous if he can gracefully do so.

لاجناح عليكم ان طلقتم النساء مالم تمسوهن او تفرضوا لهن فريضة ومتعوهن على الموسع قدره وعلى المقتر قدره متاعا بالمعروف حقا على المحسنين. وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن وقد فرضتم لهن فريضة فنصف مافرضتم الا ان يعفون او يعفو الذي بيده عقدة النكاح وان تعفوا اقرب للتقوى....

"There is no blame on you if you divorce women while yet you have not touched them, nor appointed for them a marriage gift. And, provide for them; the wealthy according to his means and the strained according to his. And, if you divorce them before you have touched them and you have appointed for them a marriage gift, pay half of what you have appointed unless they forego it or the state, which countersigned your marriage deed, forgives it. But if you forego (and thus let the divorced women have her full share of marriage gift), it is nearer to dutifulness – *'Taqwa'…*" 2/236-237

It may be mentioned in passing that in case a divorce takes place before sexual relationships are consummated, there is no waiting period *(Iddat)* for woman.

ياايها الذين امنوا اذا نكحتم المؤمنات ثم طلقتموهن من قبل ان تمسوهن فمالكم عليهن من عدة تعتدونها فمتعوهن وسرحوهن سراحا جميلا

"O you who believe, when you marry believing women, then divorce them before you touch them, there is no waiting period for them. But do make provisions for them and set them free in graceful manner …" 33/49

Waiting period *(Iddat)* is also suggested for those women who have not had periods for a long time either due to old age or some sort of an illness.

واللائي يئسن من المحيض من نسائكم ان ارتبتم فعدتهن ثلاثة اشهر واللائي لم يحضن.....

"And those of your women who despair of menstruation, if you have a doubt, their prescribed time is three months and of those too who have not had their courses…" 65/4

A general misconception about Islamic law is that husbands are allowed to beat their wives for some reasons. The fact of the matter is that for smooth running of a household, the Quran has suggested a distribution of duties between men and women. As a rule, men are asked to earn a living and women are asked to manage the household and bring up children. Both have an obligation to fulfill each other's requirement for sexual relationship and women have an obligation to produce children, if there is nothing serious preventing them from having them. If women appear to be shirking their duties, men

have a right to ask for such a position to be put right. And if men appear to be neglecting their part of the agreement, women must be able to demand their right.

...واللاتي تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن في المضاجع واضربوهن فان اطعنكم فلاتبغوا عليهن سبيلا ان الله كان عليا كبيرا.

"And if you fear that women are not fulfilling their part of the agreement in conjugal life, let them be advised by members of society appointed for this purpose. If they do not heed this advise, men may leave them alone in their beds. If this also does not work, the matter can go to court which can award physical punishment, if necessary. So, when they start performing their duties, seek not a way against them … 4/34

The institution of a reconciliation council is mentioned in 4/35 and it has already been discussed. The point to note is that husbands are not being allowed to take any unilateral actions. It may be argued that a possible physical punishment for this dereliction of duties seems to be very severe. The Quran takes full responsibility for suggesting such a course of action to deal with extreme cases and it would be interesting to know what other thinkers suggest as remedy for such a situation. Men are also reprehensible if they do not appear to be doing their bit for smooth running of household.

...وان امراة خافت من بعلها نشوزا او اعراضا فلا جناح عليهما ان يصلحا بينهماصلحا والصلح خير واحضرت الانفس الشح...

"And if a wife feels that her husband is not fulfilling his part of agreement and is neglecting her, there is no reason why society should not intervene to bring about peace among them. Peace is preferable to a continuation of a state of uncertainty…" 4/128

As a cardinal principle, men and women have, unless otherwise stated, similar rights and obligations. In this case, I consider that if a man does not mend his ways, he is, like in the case of a woman, also liable to be brought to justice and receive the same type of punishment as is awarded to women, when necessary, in extreme cases. I draw this conclusion from the general Quranic principle regarding rights and obligations of men and women.

...ولهن مثل الذي عليهن بالمعروف وللرجال عليهن درجة....

"And woman have rights similar to those against them in a just manner and men have marginally better rights than women (They do not have a waiting period *(Iddat),* for instance…" 2/228

The Quran recommends that when two persons enter into business, they should cause the agreement to be written down. Two reliable persons must bear witness to such

transaction. They should preferably be men because they frequently indulge in business in the normal course of their lives. But if two men are not conveniently at hand, then there should be at least one male and two females. One female as witness and the other to help her if necessary. This is so because, in normal circumstances, women do not indulge in business in routine. When the female witness is being cross examined in court, she is entitled to have her helper to assist her if she is confused in factual matters.

....واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامراتان ممن ترضون من الشهداء ان تضل احداهما فتذكر احداهما الاخرى...

"And call to witness from among your men two witnesses: but if there are not two men, then one man and two women from amongst those whom you choose to be witnesses, so that if one of them (the witness) errs, the other (helper) may remind her…" 2/282

It may be borne in mind that in all cases other than business transaction, women have as much a right to be witnesses as men. And there is no restriction of two women against one man.

Polygamy was a normal part of Arab culture before the Quran recommended monogamy as a rule and not more than four wives as an exception under certain clearly stated circumstances. There was no restriction on the number of wives a person could marry in pre-Islamic society. The Messenger (pbuh) and many of his companions had more than four wives. This was made necessary because a lot of Muslims men were killed in wars and their widows had to be taken in protection. When the Quran restricted the number to four, this instruction was not retrospective. So, if the Messenger (pbuh) had eight or nine wives, there was nothing unusual about it. The wives were given a choice to remain wedded to the Messenger (pbuh) if they were prepared to share his simple and indigent life. If they were looking for a more affluent living, they were welcome to do so and the Messenger (pbuh) would part with them with grace.

يايها النبي قل لازواجك ان كنتن تردن الحياة الدنيا وزينتها فتعالين امتعكن واسرحكن سراحا جميلا . وان كنتن تردن الله ورسوله والدار الاخرة فان الله اعد للمحسنات منكن اجرا عظيما.

"O Nabi, say to your wives: if you wish to live an affluent life with all its adornments, I will give you provisions that I can afford and allow you to depart in a graceful manner. But if you wish to continue to live a life agreeable to God and His Messenger (pbuh), this will be good for you in the long run. Surely, Allah has prepared for the doers of good among you, a mighty reward…" 33/28-29

But they must know that if they prefer to stick with the Messenger (pbuh), they will have to set an example of chaste and simple living and any failing on their part will bring with it double the normal punishment.

يانساء النبي من يات منكن بفاحشة مبينة يضاعف لها العذاب ضعفين وكان ذلك على الله يسيرا.. ومن يقنت منكن لله ورسوله وتعمل صالحا نؤتها اجرها مرتين واعتدنا لها رزقا كريما.. يانساء النبي لستن كاحد من النساء ان اتقيتن فلا تخضعن بالقول فيطمع الذي في قلبه مرض..... وقرن في بيوتكن ولاتبرجن تبرج الجاهلية الاولى....

"O wives of the Nabi, whoever of you is guilty of manifestly improper conduct, the chastisement will be double for her. And, whoever of you is obedient to Allah and His Messenger and does good, We shall give her a double reward and We have prepared for her an honorable sustenance. O wives of the Nabi, you are not like any other women, if you would keep your duty. Be not soft in speech, lest he in whose heart is a disease yearn. And, stay with grace in your house and manage it in a good manner and display not your beauty like the displaying of ignorance of yore…" 33/30-33

There is general misconception that Messenger Mohammed (pbuh) was accorded some preferences in the matter of his marriage. This is not true. The Messenger (pbuh) is bound by the same rules and regulations regarding matrimonial affairs as other believers except in one or two matters.

يااايهاالنبي انا احللنا لك ازواجك اللاتي اتيت اجورهن ومامَلكت يمينك مما افاء الله عليك وبنات عمك وبنات عماتك وبنات خالك وبنات خالاتك التي هاجرن معك وامراة مؤمنة ان وهبت نفسها للنبي ان اراد النبي ان يستنكحها خالصة لك من دون المؤمنين قد علمنا مافرضنا عليهم.....

"O Nabi, We have made lawful to you your wives whom you have given their marriage gifts and also lawful are those whom your right hand possesses out of those whom Allah has given you as prisoners of war. (So far, this is equally applicable for other Muslims). A special privilege for you is that you can marry a Muslim woman who wishes to get married to you without receiving a marriage gift. And a special restriction on you is that you can marry only those daughters of your paternal and maternal aunts and uncles as have migrated from Mecca to Medina. These two instructions are special to you…" 33/50

It is not true that only the Messenger (pbuh) was allowed to retain all his wives, in excess of four, when the Quran restricted the maximum numbers of wives to four. This retention

was allowed to all Muslims alike. The Messenger wives were given an option to part from the Messenger (pbuh) if they could not live in the stringent conditions offered in his household. The Messenger (pbuh) is also given an option to part with such of his wives whom he considers would not fit in a presidential household.

ترجي من تشاء منهن وتؤوي اليك من تشاء ومن ابتغيت ممن عزلت فلا جناح عليك....

"You may part with whomsoever you consider it is proper (of course, by complying with the law regarding marriage gift) and retain those whom you judge can live with you in harmony…" 33/51

After all these arrangements have been finalized, it must be clearly understood that neither the Messenger (pbuh) can marry any more wives, nor his wives can marry any other men.

لايحل لك النساء من بعد ولا ان تبدل بهن من ازواج ولو اعجبك حسنهن....

"It is not allowed to you to take wives after this, nor to change them for other wives though their beauty be pleasing to you..." 33/52

The Messenger (pbuh) wives are for Muslims like their mothers.

النبي اولى بالمؤمنين من انفسهم وازواجه امهاتهم

"And the Nabi is closer to the faithful than their own selves and his wives are like mothers to them…" 33/6

They are prohibited to ever take them in marriage after they have been married to the Messenger (pbuh).

..... ولاان تنكحوا ازواجه من بعده ابدا ان ذلكم كان عند الله عظيما.

"Nor to marry his wives after him ever…" 33/53

This provision was known to the Messenger's (pbuh) wives when they were given an option to part or remain.

The Messenger (pbuh) had an adopted son by the name Zaid. He got married to a lady of his choice. He wished to part with her because, in his opinion, the marriage was not a success. Muslims tried to bring about reconciliation between the couple. The Messenger (pbuh) himself advised his adopted son to try and stick with the marriage. Zaid, respectfully, declined. He divorced his wife according to law. After this event, the Messenger (pbuh) took this lady in marriage. There was no big deal in all this. The Quran makes a brief reference to this event because God wishes to point out that an adopted son is not your real son and hence it is lawful for you to marry their former wives.

واذ تقول للذي انعم الله عليه وانعمت عليه امسك عليك زوجك واتق الله وتخفي في نفسك ماالله مبديه وتخشى الناس والله احق ان تخشاه فلما قضى زيد منها وطرا زوجناكها لكي لايكون على المؤمنين حرج في ازواج ادعيائهم اذا قضوا منهن وطرا وكان امر الله مفعولا.

"And when you said to him whom Allah had shown favour and to whom you had shown a favour: keep your wife to yourself and keep your duty to Allah. So when *Zaid* dissolved his marriage tie, We give her to you as wife so that there should be no difficulty for the believers about the wives of their adopted sons, when they have dissolved their marriage tie…" 33/37

This small event has been turned into quite a scandal by those who do not wish the Messenger (pbuh) well. But this is not all. An absolute non-event has been turned into a bigger scandal to tarnish the Messenger's (pbuh) image as a husband.

ان الذين جاؤوا بالافك عصبة منكم..... هذا افك مبين... وان الله رؤوف رحيم...

"Surely those who concocted a lie, are a party among you…" 24/11-20

The Muslims are exhorted not to listen to rumours. And, bit of information must be looked into in great detail before being accepted as true. It is understandable when non-Muslims concoct a myth and make up a scandalous story about one of the Messenger's (pbuh) wives where no reference to any such event exists in the Quran. What is amazing is why Muslims should lap up this weird story, the less said about which non-event the better. This innocuous verse from the Quran is quoted as an authority to prove authenticity for the myth of the Messenger's (pbuh) annoyance with one of his wives. I am referring to the so called incident of '*IFK'* involving Aisha Siddiqa, the Messenger's (pbuh) wife. The Quran makes no reference whatsoever to such an incident.

The Quran roundly condemns sexual relations outside marriage.

ولاتقربوا الزنى انه كان فاحشة وساء سبيلا.

"And go not nigh to fornication. This is crossing the limits set by God. It is an evil way of life…" 17/32

The Quran not only forbids adultery but also enjoins men and women not to go near it, thus avoiding all those opportunities which are likely to tempt to fall into this evil. Free inter mingling of the sexes in which they exhibit sex in attempting manner is discouraged. Good Muslims never have sex outside marriage.

...ولايقتلون النفس التي حرم الله الا بالحق ولايزنون ومن يفعل ذلك...

"And they do not have sex outside marriage…" 25/68

(Continue)

****